محمد جاد المولیٰ بک
ترجمہ: مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

تمام فضائل کا مدار اور مرجع سیدنا محمد ﷺ

محمد جاد المولیٰ بک مصر کے بیسویں صدی کے اہم اہل قلم میں سے ہیں۔ ان کی اہم ترین کتاب المثل الکامل ہے۔ جس میں سیرت طیبہ کا بیان ایک مختلف اسلوب میں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ایک اہم حصہ رسول اللہ ﷺ کے فضائل پر مشتمل ہے۔ جس کا ترجمہ مولانا محمد ابراہیم فیضی کے قلم سے ہے، اور ان سطور میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اجمال

اللہ جل مجدہ الکریم نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو بہ کثرت قابل تعریف اعمال، لائق تحسین افعال اور کارہائے نمایاں سے مختص فرمایا، آپ ﷺ کے ہاتھوں سے عظیم نشانات ظاہر فرمائے، فتح و نصرت کے علَم اور پرچم آپ کو عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے احباب اور خاص بندوں پر فضیلت سے نوازا، اپنی مقدس کتاب میں متعدد مقامات پر آپ ﷺ کی توصیف فرمائی، ایک ماہ کے فاصلے سے دشمن پر آپ کے رعب سے مدد فرمائی، آپ کے معجزے کو تا قیامت باقی رکھا، اللہ کی عنایت ہر آن آپ کی محافظ رہی اور اس کی سرپرستی ہر ساعت آپ ﷺ کے شریک حال رہی، باری تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت اور ہم عصروں پر فوقیت سے آپ کی مدد فرمائی اور آپ کو حسن خلق سے مالا مال فرمایا۔ جوامع الکلم عطا فرمائے، آپ کی ہدایت کی اقتدا کرنے، اور آپ ﷺ کے امر و نہی پر دل و جان سے پابند رہنے کی تاکید فرمائی، آپ کے ہاتھوں خیر کے چشمے رواں فرمائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی اور آپ سے ہم کلام ہوا، آپ کو اپنی عظیم آیات کے جلوے دکھائے، دنیا اور آخرت میں آپ کو تعظیم و تکریم سے نوازا، حُسنِ قبولیت کی انتہاؤں تک رسائی عطا فرمائی، کثیر التعداد خصائص سے شاد کام فرمایا، آپ ﷺ کی صورت حُسن کا معیار ٹھہری، ادب کی رفعتیں حسین تر شکل میں آپ کی ذات میں جلوہ فگن ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان حقائق کا علم بخشا جن سے آپ ناواقف تھے، ہر مشکل اور مبہم کے حل کی

طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہ نمائی فرمائی، پاک دامنی اور بے عیبی کو آپ کی فطرت اور جبلت قرار دیا، آپ ہی سے عدل وانصاف کے میزان کو قائم فرمایا، اپنے سربستہ رازوں سے صرف آپ کو آگاہی بخشی، لوحِ محفوظ میں ثبت بلند پایہ کتاب سے آپ کو تقویت فراہم کی، نرم خوئی کی دولت کے ساتھ آپ کی ذات کریمہ کو مہربانی اور بھلائی کا گہوارہ بنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سبب سے اندھوں کو بینائی، بہروں کو شنوائی اور نہ سمجھنے والے، نہ محفوظ رکھنے والے کفر وعصیان کے پردوں میں ملفوف دلوں کو حق کی طرف رہ نمائی ملی، جتنے انبیاء کرام تشریف لائے سب نے آپ کی تعریف کی اور آپ کی اتباع کا حکم دیا اور اس عہد وپیمان کے ساتھ آئے کہ ان انبیاء گرامی قدر کے دورِ نبوت میں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی نصرت کریں گے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام میں سے جس نبی محترم کو جو فضیلت عطا ہوئی آپ کو اس فضیلت سے زیادہ فضیلت سے نوازا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان کو خواہشات کے نطق سے اور قلب ونظر کو جھوٹ، کجی اور کمی سے منزہ فرمادیا، اغراض سے آپ کو مامون ومحفوظ رکھا اور عزت وکرامت کی انتہائی بلندی تک آپ کو رسائی مرحمت فرمائی، آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنی اطاعت قرار دیا، ارشاد فرمایا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۱)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

اپنی کتاب مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کے نام سے موسوم فرمایا، ارشاد فرمایا:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝ (۲)

تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور حق نما کتاب۔

اللہ عزوجل نے رسالت کے لیے آپ کا سینہ کھول دیا، شہادتین میں اپنے ذکر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو رفعت عطا فرمائی، واضح اور نمایاں دلائل اور غالب وروشن ترمعجزات کے ساتھ آپ کی مدد واعانت فرمائی، مکہ میں آپ کے سکونت پذیر ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو عذاب سے محفوظ رکھا، ارشاد فرمایا:

۱۔ النساء:۸۰

۲۔ المائدہ:۱۵

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ [۳]

اس وقت تو اللہ ان پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جب کہ آپ ان کے درمیان تھے۔

رب ذوالجلال نے آپ کو ہر نوع کے میل کچیل اور غلاظت سے طیب وطاہر فرمادیا، قرآن مجید نے آپ کی حفاظت کی ان الفاظ میں گواہی دی:

وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ [۴]

اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔

سورۂ ''ن'' رب تعالیٰ کے آپ سے حسنِ مخاطبت اور آپ کے لیے کبھی منقطع نہ ہونے والے اجر کے وعدہ کی نمایاں دلیل ہے، آپ کے صاحبِ خلقِ عظیم ہونے کی شہادت قرآن کریم الفاظ میں دے رہا ہے:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ [۵]

اور بے شک آپ تو اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔

تفصیل

جب ہم ان عظیم لوگوں کی سیرتوں میں غور کرتے ہیں جنہیں تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے تو ہمیں سیدنا محمد ﷺ کا تذکرہ سب سے ارفع اور بلند نظر آتا ہے اور بنی نوع انسان پر آپ کے اثرات سب سے زیادہ دیرپا دکھائی دیتے ہیں، تاریخ کے دامن میں ایسے کسی عظیم انسان کا تذکرہ نہیں ملتا جس نے عربوں جیسے جنگ جو، گرم مزاج، نخوت کے پیکر، ضدی اور سرکش خیالات اور تصورات میں مگن لوگوں سے ایک مثالی قوم تیار کی ہو، ان سے ان کے مزعومہ عقائد و نظریات چھڑوا کر انہیں حق و صداقت جیسے نامانوس امور پر جھکنے پر مجبور کر دیا ہو، اور بدلے میں ان سے غیبی انعامات (جنت، رضائے الٰہی) کا وعدہ فرمایا ہو، جب کہ وہ لوگ قبل ازیں آپ کے پیغام کو معمولی، حقیر اور ہلکا سمجھتے تھے، اگرچہ وہ آپ ﷺ کے حُسن خلق، ایفائے عہد اور پاکیزہ دلی کے قائل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ ملک و بادشاہت کے خواہاں نہیں، آپ کا مطلوب دنیاوی ساز و سامان نہیں، پھر بھی ان کا کہنا تھا:

۳۔ الانفال: ۳۳

۴۔ المائدہ: ۶۷

۵۔ ن: ۴

قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ وَ فِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ O (٦)

کہتے ہیں جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ہمارے کان بہرے ہوگئے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہوگیا ہے، تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کیے جائیں گے۔

ان تمام مشکلات کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے معاملات میں کبھی نفاق سے کام نہیں لیا، ان کی باطل پرستی سے انسیت تلاش نہیں کی، ان کے عقائد اور نظریات کی تردید میں کسی قسم کی چالاکی اور فریب کاری سے انہیں اپنا بنانے کی کوشش نہیں فرمائی جیسا کہ قوموں کے سیاسی قائدین کا وطیرہ رہا ہے، جیسے مصر میں نابلیوں کی طرف سے اسلام سے محبت کا خلافِ حقیقت دعویٰ، اور جیسے یہ قول کہ اگر میں یہودیوں پر حاکم ہوتا تو ان کے لیے ہیکلِ سلیمان علیہ السلام تعمیر کرواتا۔

لیکن صاحب شریعت اسلامیہ ﷺ کی ذات ایسی چالاکیوں، مداہنت اور فریب کاریوں سے منزہ اور پاک رہی، آپ سے مشرکوں کے خلاف مشرکوں سے مدد حاصل کرنے کی درخواست کی گئی حال آں کہ اس وقت آپ کو ایک ایک فرد کی ضرورت تھی، آپ کا لشکر قلت کا شکار تھا، ایک فرد کا اضافہ بھی بڑی بات تھی، مگر آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا: ”میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا“۔ اس کے باوجود آپ نے اپنی مراد حاصل کرلی، عرب قوم حق کے سامنے سرنگوں ہوگئی اور اس نے پسپا ہو کر آپ کی مدد و نصرت میں اپنی پوری کوشش اور کاوش خرچ کر دی۔ ان کے سرکش قلوب آپ کے لیے مہربانی، شفقت اور احسان کے گہوارے بن گئے۔ حال آں کہ آپ نے ان کے طریقوں سے بے التفاتی برتی، ان کی جھوٹی آرزوؤں کو ان کی بے وقوفی قرار دیتے رہے اور ان کے باطل قوانین پر طعنہ زن رہے۔

جب ہم تاریخ کے اوراق کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کے عظیم افراد ان کی وقتی ضروریات کی تکمیل کے لیے قدم بہ قدم ترقی کے مدارج طے کرتے رہے ہیں، اگر قوم کی ضرورت فکری حقائق کی پردہ کشائی تھی تو ان میں ایسے فلسفی اور دانش ور آئے جنھوں نے اپنی فکر اور پختہ رائے سے قوم کے لیے عروج کی راہیں ہموار کر دیں، اور اگر کسی قوم کی ضرورت فتح اور کشور کشائی تھی تو اس قوم میں ایسے کشور کشا اور فاتح ظاہر ہوئے جنھوں نے قرب و دور کے ممالک پر فتح و نصرت کے پرچم لہرا دیے۔

٦۔ حٰم السجدہ: ۵

یہ ہی کیفیت ایسے علما، شعرا اور خطبا وغیرہ کی رہی، جنہوں نے اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑے اور اپنی اپنی قوموں کی ترجمانی کی اور قوم کی عظمت کے نشان قرار پائے، ان میں ہر عظیم فرد اپنے دور کا روحِ رواں تھا، اور اس کا ظہور قوموں کے نشو وارتقاء کے جاری سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

لیکن سیدنا محمد ﷺ اس طریق کے راہی نہ تھے، آپ کی شخصیت جداگانہ خصوصیت کی حامل تھی، آپ کی بعثت کے وقت عرب ایسی اجتماعی پستی کا شکار تھے کہ قوموں کی تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی، دین کے صحیح احکام کے بجائے جہالت کے پھندے میں گرفتار تھے، سیاست و حکم رانی اور اجتماعی زندگی کے مبادی سے ناآشنا تھے، ہر فن سے تہی دامن اور صنعت و حرفت سے کورے تھے، بین الاقوام تعلقات سے ناواقف تھے، ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ خود مختار اور ہمچوں دیگرے نیست کا علم بردار تھا، اپنے پڑوسی قبائل پر حملہ آوری اور غارت گری کے لیے ہر آن آمادہ، اور معقولیت سے کوسوں دور تھا۔

ایسے معاشرے کو راہِ راست پر لانا ایسی عظیم ترین شخصیت کا کارنامہ ہے جس کی مثال قبل ازیں کسی مصلح کے کارنامے میں نہیں ملتی، آپ ﷺ نے اہل عرب کو ایک امت بنایا، سلطنت کی بنیاد فراہم کی اور دین اسلام پر ثابت قدمی بخشی، یہ تین امور ایسے ہیں جو آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی اور مصلح میں جمع نہیں ہوئے۔ اس سلسلے میں بعض مشہور افراد جیسے اکثم بن صیفی کا ذکر کوئی حیثیت نہیں رکھتا، عرب معاشرے میں یہ جوہری تبدیلی اس قادر مطلق کی عنایت کا فیضان ہے جو سمندروں کی اتھاہ تاریکیوں میں حیات کی نمو فرماتا ہے، اسی نے اس عظیم انسان (سیدنا محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا، اپنی عنایت سے ان کی مدد فرمائی اور آپ کو ایسی نورانیت عطا فرمائی کہ تمام تاریکیاں چھٹ گئیں اور زمین کا کونا کونا آپ کے پیغام سے جگمگانے لگا۔

عظمت عظیم انسانوں کے ہاتھوں سے ظاہر ہونے والے معجزات اور عجائبات پر موقوف نہیں ہوتی نہ ہی ان کی فصاحت اور نظریات کے استنباط پر قدرت کی مرہونِ منت ہوتی ہے، کیوں کہ یہ مظاہر ہمیشہ باقی نہیں رہتے، وقت کی گزران کے ساتھ زوال آشنا ہوتے ہیں۔ حقیقی عظمت ایسی باکمال شخصیت میں پنہاں ہوتی ہے جو قوت و ثابت قدمی سے متصف ہو، عجائبات اس کے جلو میں ہوں وہ ان ہونی کو ہونی کر دے، اربابِ فہم و دانش کی فکر اس کے تابع ہو جائے، بعد میں آنے والوں کے حواس اس کی گرفت میں ہوں اور اس کی سیرت اسوہ اور نمونہ بن جائے۔

کامل شخصیت وہی ہوتی ہے قوم کے دلوں میں جس کا احترام، ہیبت اور محبت موج زن ہو، اس کے ارشادات پر عمل کیا جائے، اس کی فرماں برداری انہیں محبوب ہو اور قوم اس کے رنگ میں رنگ جائے، اس کے نظریات اور عقیدے کو قبول کرتے ہوئے قوم نئی امنگوں کی اپنے قلوب میں آب یاری کرے اور فکر و نظر کی نئی جوت جگائے، آنے والی نسلوں کے دلوں میں اس کی تاثیر پیدا کرے اور اس شخصیت کی عظمت کو دوام حاصل ہو۔

سیدنا محمد ﷺ ایسی ہی کامل شخصیت تھے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے اور بعد میں ایسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی جو اس میدان میں آپ کے ہم پلہ ہو، آپ اپنے معاصرین میں غالب و فائق رہے، آپ کے ہم عصروں نے آپ کی رفعت اور برتری کا برملا اقرار کیا، حال آں کہ ان میں سے اکثر کا تعلق اعلیٰ خاندانوں سے تھا، صاحبِ بصیرت اور بڑے دولت مند تھے، ان میں ایسے لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے جو آپ کے قریبی عزیزوں میں سے تھے اور آپ کی حیات طیبہ کے ہر گوشے اور پہلو سے بہ خوبی واقف تھے، چناں چہ اگر انہیں آپ کی شخصیت میں کوئی عیب معلوم ہوتا تو وہ اسے خوب اچھالتے اور اگر کوئی کمی کجی نظر آتی تو اسے خوب پھیلاتے۔

بعثت سے تیرہ سال کے عرصے تک آپ کے صحابہ نے بہ کثرت سختیاں برداشت کیں، ہر قسم کا ظلم و ستم سہا، ہر قبیلے والوں نے اپنے مسلم عزیزوں پر ایسے ایسے ستم کیے کہ ان کے ذکر سے آج بھی دل لرز جاتے ہیں، اہل ایمان ان تمام اذیتوں کو حیران کن صبر و سکون سے برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کا ارشاد فرمایا۔ ان مصائب و آلام کے باوجود آپ کے ماننے والوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا کوئی کمی نہیں آئی۔

سوال یہ ہے کہ آپ کے پیغام پر ایمان لانے والے ہر دکھ خندہ پیشانی سے کیوں برداشت کر رہے تھے، انواع واقسام کے ستم اور تذلیل انہیں کیوں گوارا تھی، صرف اس لیے کہ آپ ﷺ کی عظیم شخصیت کی عدیم النظیر کشش نے ان کے قلوب و اذہان کو مسخر کر لیا تھا، وہ دل و جان سے آپ کے ہو گئے تھے اور آپ نے ان سے جواں مردوں کی نسل تیار کر لی۔

کسی دور کے فلاسفہ ایسی قوم تیار کرنے میں کام یاب نہ ہو سکے جیسی قوم سیدنا محمد ﷺ نے تیار فرمائی، وہ تو اس عظمت کی گردِ راہ کو بھی نہ پا سکے، ایسی قوم جو فکر کی بلندیوں میں حسین مثال کی حامل تھی،

جن میں پاکیزہ فطرت، نرم دلی، یقین کی قوت، حُسن خلق، امانت داری، عدل و انصاف اور حق کی پاس داری جیسے فضائل کی فراوانی تھی۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان فضائل کی تفصیل بیان کی جائے جن سے اللہ جل و علا نے آپ ﷺ کو نوازا تھا آپ کا نسب، نشوونما اور آپ کے اعمال و افعال کا جامع تذکرہ، تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ محمد ﷺ کی ذات ہی تمام افراد اور قوموں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے، اور تمام خصال حمیدہ آپ ہی کے احوال و افعال سے ماخوذ ہیں اور آپ ہی کی ذات گرامی سے حاصل کردہ ثمرات ہیں۔

حضور ﷺ کے فضائل ذاتیہ

ا۔ ولادت، نسبی شرافت اور پاکیزہ نشوونما

مشہور قول کے مطابق آپ ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل میں بارہ ربیع الاول کو یا پھر ماہر فلکیات علامہ محمود پاشا کی تحقیق کے مطابق ۹ ربیع الاول ۵۷۱ء کی صبح کو ہوئی۔ آپ کی ولادت اللہ تعالیٰ کے باعزت اور مکرم شہر مکہ میں ہوئی، جس شہر کی برکتیں فزوں تر اور جس کی فضیلت و شرف ہر آن رفیع تر ہیں، اس شہر میں موجود بیت اللہ امن و آشتی کا گہوارہ ہے۔ جس کا طواف کرنے والوں کی دعائیں مقبول و مستجاب ہوتی ہیں۔

مکہ مکرمہ، حجاج کی حاجت روائی جس کی ترقی کا اہم سبب تھا اس شہر کے علاوہ تاجروں کی کوئی ایسی جائے پناہ نہ تھی، جہاں وہ کامل امن و سکون کے ساتھ معاشی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے۔ مقاماتِ حج قدیم زمانہ سے تاجروں کے فرودگاہ رہے ہیں کیوں کہ جب کسی غرض سے کہیں بھی انسانوں کا اجتماع ہوتا ہے ہر شخص اپنے مفاد اور منافع کا خواہاں ہوتا ہے، یہ ہی وجہ تھی کہ مکہ تمام عرب کا بازار بن گیا۔ ہندوستان، شام اور مصر وغیرہ کے درمیان ایک تجارتی منڈی کی حیثیت سے معروف رہا، بعض اوقات یہاں تاجروں اور گاہکوں کی تعداد ایک ایک لاکھ تک پہنچتی تھی۔ یہاں ایک طرح سے قبائلی معززین کی مذہبی رنگ میں رنگی ہوئی حکومت تھی، مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے قبائل میں سے بیس افراد منتخب کیے جاتے جو شہر کے حکم راں اور کعبے کے نگہ بان ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں یہ حکم رانی قبائل قریش کے پاس تھی۔

عرب کے باقی تمام قبائل صحراؤں میں یہاں وہاں منتشر تھے، بیابان اور چٹیل میدان ان قبائل کے درمیان حد فاصل ہوتے، ہر قبیلے کا ایک یا کئی امیر ہوتے، بہت کم ایسا ہوتا کہ ان قبائل میں باہم جنگ وجدل کی آگ نہ بھڑک رہی ہوتی، ان میں باہم ربط وتعلق کا فقدان تھا، البتہ سب ایک زبان اور قومیت سے مربوط تھے، کعبہ میں ایک دوسرے سے ملتے ملاتے، باوجودے کہ ان کے بت جُدا جُدا تھے۔

اہل عرب طویل عرصہ تک ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہے، پستی کا شکار رہے، لوٹ مار، چھینا جھپٹی، نفرت وعداوت، بغض وحسد، قتل وغارت ان کی گھٹی میں پڑے تھے، ان کی باہمی لڑائیاں ختم ہونے کا نام نہ لیتیں۔ انتقام کے شعلے کبھی سرد نہ ہوتے، جوان جنگوں کی بھینٹ چڑھتے، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے، لیکن ان کے شاعر اور خطیب برابر ان کے دل ودماغ کو مہمیز کرتے، بزدلوں کی ہمت بڑھاتے، پسپائی پر عار دلاتے اور دشمن کے سامنے سینہ سپر ہونے پر برانگیختہ کرتے تھے، بسوس اور داحس وغیرہ کی لڑائیاں اس کی نمایاں مثال ہیں۔

ان ہی عربوں میں حضرت محمد ﷺ نے نشوونما پائی، آپ اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق بن کر تشریف لائے، قبیلہ قریش کے گل سرسبد اور بنو ہاشم کے خورد وکلاں کے منتخب وممتاز فرد، شہری اور بدوی عربوں کے معزز ترین، باعزت گھرانے اور خاندان میں رونق افروز ہوئے۔

آپ ﷺ برابر بہترین باپ سے بہترین بیٹے میں منتقل ہوتے رہے تاآں کہ آپ دورِ جاہلیت میں مکہ اور قریش کے سردار عبد المطلب بن ہاشم اور ان سے عرب وعجم میں معزز ترین، پاکیزہ نسل کے امین اپنے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے ہاں منتقل ہوئے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام آپ کے پشت پناہ، اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام آپ کی عظمتوں کا نشان، کنانہ، قریش اور ہاشم اس عالمِ آب وگل میں آپ کی جلوہ گری کا سامان ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظمت ورفعت سے موصوف گھروں اور خاندانوں میں نسل در نسل بھیجنا پسند فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے معمار حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد کو منتخب فرمایا، پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو کنانہ کی اولاد میں سے شرف وفضیلت کے حامل قریش کو، قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے نازش دوراں افضل واعلیٰ ابو القاسم حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمالیا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو، بنو اسماعیل میں سے کنانہ کو، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنو ہاشم کو اور ہاشم کی اولاد میں سے مجھے منتخب فرما لیا، سو میں بہترین ہوں اور بہترین لوگوں سے بہترین لوگوں میں منتقل ہوا ہوں۔[۷]

آپ کے چچا ابو طالب کہتے ہیں:

إذا اجتمعت یوما قریش لمفخر
فعبد مناف سرها و صمیمها
و إن حصلت أشراف عبد منافها
ففی هاشم أشرافها و قدیمها
و إن فخرت یوما فإن محمدا
هو المصطفی من سرها و کریمها

جب قریش کسی روز جمع ہوں تو عبد مناف ہی سب سے عمدہ اور افضل ہو گا اور اگر عبد مناف کے نسب کو دیکھا جائے تو بنو ہاشم تقدیم اور عزت والے ہوں گے اور اگر کسی دن اظہار فخر ہو تو محمد مصطفی ﷺ ہی سب سے اعلیٰ اور افضل فرد ہوں گے۔[۸]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے آباو اجداد میں کوئی پست اور حقیر انسان نہیں تھا بل کہ تمام کے تمام سردار اور قائدین تھے۔

نشوونما

رسول اللہ ﷺ نے عنفوانِ شباب میں قدم رکھا، اللہ جل و علا جاہلیت کی کجرویوں سے آپ حفاظت کر رہا تھا، آپ کی نگہ بانی فرما رہا تھا اور آپ کو دورِ جاہلیت کی ہر نامناسب بات سے مامون فرما رہا تھا، وہ آپ کو رسالت اور عزو کرامت سے نوازنے والا تھا، اسی لیے آپ کو خوش خلقی، عالی نسبی، احسان و مروت، حلم و حوصلہ، صدق مقال، امانت و دیانت کی اعلیٰ اقدار سے وافر حصہ ملا، آپ بد خلقی سے کوسوں دور تھے چناں چہ چڑھتی جوانی ہی میں آپ اہلِ مکہ کے درمیان امین مشہور تھے، کیوں کہ آپ نے مکارم اخلاق کی ان رفعتوں تک رسائی پائی تھی کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اور بعد میں کوئی انسان ان بلندیوں تک نہ پہنچ سکا۔ اہل مکہ نے آپ جیسا نوجوان کبھی نہیں دیکھا تھا، آپ نے اپنے صبر، حوصلے،

۷۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ: ج۱، ص ۲۰

۸۔ ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ: ج ۲، ص ۳۱۷

ایفائے عہد، دنیا سے بے رغبتی، جود و سخا، اولو العزمی، صداقت، شریفانہ رہن سہن، تواضع، حلم، عفو و درگذر اور ثابت قدمی سے سب کے دل موہ لیے تھے۔

آپ نے اپنی قوم کی عسرت و تنگ دستی کے درمیان وقت گزارا، آپ کی حالت اپنے چچازادوں اور قوم کے دیگر بچوں کی سی تھی، والدین کی وفات کے باعث یتیمی کی حالت اس پر مستزاد تھی، بہ ظاہر کوئی ایسا مؤدب اور مربّی نہ تھا جو آپ کو ادب و تربیت دیتا، یہ فطری سلامتی، طبعی رفعت، ذہنی پاکیزگی اور فضل و کرم سے گہرا تعلق ہی تھا جس نے آپ کو اپنے ہم سنوں میں انفرادیت بخشی تھی، آپ کے تمام ہم قبیلہ بت پرست اور بتوں کے نگہ بان تھے، آپ سے ملنے جلنے والے بتوں کے خدام اور پجاری تھے، ایسے معاشرے میں آپ کی یہ رفعت اور انفرادیت بجا تھی کہ خود آپ کا ارشاد گرامی ہے:

میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سے مجھے نوازا۔(۹)

سیدنا محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی روح اور ذہن دیگر بچوں کی طرح اپنے معاشرے کے افعال، اعمال، اقوال اور احساسات سے قطعی متاثر نہیں ہوئے، اگر خدانہ خواستہ ایسا ہوتا تو آپ بھی بتوں کی تعظیم اور عبادت میں شریک ہوتے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بت پرستی کی گم راہیوں اور اوہام سے محفوظ و مامون رکھا، اللہ کی عنایت نے آپ کی تربیت کی اور آپ ایسی تمام اعلیٰ و عمدہ صفات، پسندیدہ عادات کے مظہر اتم ٹھہرے جو انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہوتی ہیں۔ آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا، نہ اپنی قوم کی عیدوں اور میلوں ٹھیلوں میں شرکت فرمائی، نہ ہی بتوں پر قربان کیے جانے والے جانوروں کا گوشت چکھا۔

مصطفی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنی محنت کی کمائی کا پھل کھاتے رہے، یہاں تک کہ لوگوں میں آپ کی بلند اخلاقی، امانت داری اور سچائی کی دھوم مچ گئی، آپ کے صدق و امانت سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے آپ سے اپنا مال شام کی طرف لے جانے کی خواہش ظاہر کی ان کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ میسرہ نے آپ کی امانت، پاکیزہ خیالی، برکت اور معاملات میں آسانی دیکھی تو آپ کے گُن گانے لگا اور اپنی مالکن سے آپ کی خوبیاں بیان کیں، چناں چہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی، اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پچیس سال کے تھے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس نکاح پر رضامند ہو گئے اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پوری الفت و موافقت، خوش دلی کے ساتھ زندگی گزاری، صرف وہی آپ کی محبت کا مرکز رہیں، پر

۹۔ سمعانی، عبدالکریم بن محمد۔ آداب الاملاء والاستملاء: ص ا

سکون زندگی جس پر پڑوسی عش عش کرتے اور بھائی محبت سے پلکیں بچھاتے۔ حضرت خدیجہ کی وفات تک دوسرے نکاح کا خیال بھی آپ کے دل میں نہ آیا، خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ ہستی ہیں جس نے آپ کی بعثت اور تبلیغ کی ابتداء میں اپنے مال اور عقل مندی سے آپ کی مدد اور غم خواری کی، چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> وہ مجھ پر ایمان لائی جب لوگوں نے مجھ سے کفر کیا، اس نے میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اس نے مجھے اس وقت مال دیا جب لوگوں نے مجھے محروم کر دیا۔(۱۰)

جوں جوں آپ کی زندگی کے سن و سال میں اضافہ ہوتا گیا عزلت نشینی اور خلوت گزینی سے آپ کی محبت بڑھتی گئی، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں غور و فکر اور صرف اسی ذات سے لو لگانے سے لگاؤ میں اضافہ ہونے لگا، کئی کئی راتوں تک آپ غار حرا کی تنہائی میں مصروف عبادت رہتے تاکہ آپ کی روح شریف عالم معانی کی طرف متوجہ ہو اور وحی الٰہی کی استعداد سے بہرہ ور ہو، حال آں کہ آپ نے کسی استاد سے درس لیا نہ ہی لکھنے پڑھنے کی مشق بہم پہنچائی تھی، نہ ہی کسی صاحب علم اور اس کے علم سے استفادہ کیا تھا، بل کہ صحرائے عرب کی ظلمتوں کو اپنی نگاہِ بصیرت سے ملاحظہ فرمایا یا پھر جہالت کے پردوں سے چھن چھن کر آنے والی معرفت کی کرنوں سے اپنا دامن بھرا تھا۔ آپ ﷺ کا قدیم و جدید علوم کی تعلیم حاصل نہ کرنا باعث طعن نہیں، آپ نے غیروں کے گھاٹ سے اپنی علمی پیاس نہیں، بجھائی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے مستغنی فرمادیا اور اپنے امّی نبی کو بہ طور معجزہ علم کی انتہائی رفعتوں تک رسائی عطا فرمادی تھی۔

حُسن صورت اور کمال سیرت

فن تصویر سیدنا محمد ﷺ کی صورت سے مشرف نہیں ہوا تو قلم نے آپ کی تصویر کشی کر کے اس عظیم شرف کو پالیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۝ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ۝(۱۱)
>
> پڑھیے اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

۱۰۔ امام حمد۔ المسند: ج ۷ ص ۱۰۷، رقم ۲۴۳۴۳

۱۱۔ العلق: ۳ تا ۵

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے سوال پر حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ (۱۲) نے رسول اللہ ﷺ کے حلیہ مبارک کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی۔

رسول اللہ ﷺ ذاتی اعتبار سے بڑے بلند مرتبہ اور جلیل القدر تھے، آپ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، آپ کوتاہ قد سے دراز اور دراز قد شخص سے کم تھے (متوسط قد والے تھے) سر مبارک بڑا تھا اور گیسو مبارک قدرے گھنگھریالے تھے، اگر بال الجھ جاتے تو آپ مانگ نکال لیتے تھے ورنہ نہیں، جب آپ کے بال لمبے ہوتے تو بھی کان کی لو سے نیچے نہ جاتے، آپ کا رنگ چمک دار، پیشانی کشادہ، ابرو باریک اور بھرے ہوئے، باہم ملے ہوئے نہیں تھے، ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر آتی تھی، بینی مبارک اونچی تھی جس پر نور برستا تھا، سرسری دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا، داڑھی مبارک گھنی، رخسار ہلکے اور ہموار، دہن مبارک کشادہ اور دندان مبارک فراخ تھے، سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی، گردن ایسی جیسے کسی گڑیا کی چاندی کی صاف تراشی ہوئی گردن ہو، تمام اعضاء میں توازن اور اعتدال تھا، شکم اور سینہ ہموار تھا، سینہ مبارک کشادہ، سینہ کے بالائی حصہ اور ناف کے درمیان بالوں کی ایک باریک لکیر ملی ہوئی تھی، اس کے علاوہ سینہ اور شکم اطہر بالوں سے صاف تھے، البتہ بازوؤں، شانوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصے میں بال تھے، کلائیاں دراز اور ہتھیلیاں فراخ تھیں، ہتھیلیاں اور قدم پُر گوشت تھے، تمام اعضاء ہموار تھے، آپ کے تلوے قدرے گہرے تھے، آپ کے قدموں پر پانی نہیں ٹھہرتا تھا۔ جب آپ قدم اٹھاتے تو پوری قوت سے قدم اٹھاتے اور قدم رکھتے تو جما کر رکھتے تھے، سبک خرام مگر تیز رفتار، چلتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے آپ بلندی سے نشیب کی طرف اتر رہے ہیں، جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو ہمہ تن متوجہ ہوتے، نگاہیں عموماً جھکی رہتیں، آسمان کی طرف دیکھنے کی نسبت زمین کی طرف زیادہ دیکھتے رہتے۔ آپ کی نظر گہرے مشاہدے پر مبنی ہوتی تھی، صحابہ کرام کے ساتھ حُسن تدبیر سے پیش آتے، جس سے ملاقات ہوتی اس سے پہلے خود سلام کرتے تھے۔ (۱۳)

۱۲۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے بیٹے تھے انہیں کسی کے اوصاف بیان کرنے میں کمال حاصل تھا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ ان کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے حلیہ کا بیان سن کر اسے محفوظ کرلیں

۱۳۔ [illegible]، الشمائل، مع السنن، ۵۷۰، ص ۵۰۳۔۵۰۴، رقم ۸

۳۔ باکمال گفت گو

حضور ﷺ عرب کی زبانوں سے واقف اور قرب و دور کے تمام قبائل کی زبانیں جاننے والے تھے، آنے والے ہر گروہ سے اسی کی زبان میں گفت گو فرماتے تھے، فصاحت آپ پر ختم تھی اور آپ کے اندازِ گفت گو کی بلاغت نے اربابِ دانش کو ششدر کر دیا تھا۔ آپ سے جوامع الکلم اور پر اثر حکمت کے اقوال منقول اور مشہور ہیں۔ آپ کی گفت گو کا حُسن تعریف کا محتاج نہیں، اہل معرفت اس کی شیرینی اور پاکیزگی کے ذوق سے خوب آشنا ہیں۔

آپ ﷺ کی عظمت اور رفعت شان دیکھیں کہ قرآن آپ کی زبان میں نازل ہوا، آپ کی پرورش بنو سعد جیسے قبیلے میں، لڑکپن اور نوجوانی قریش کے اعلیٰ گھرانوں میں ہوئی، بہ یک وقت آپ کی گفت گو شہری حُسن کلام اور بدویانہ عمدہ تلفظ کی جامع اور بہ کثرت حکمتوں کا حسین امتزاج ہوتی کیوں کہ آپ کا کلام وحی کا حمایت یافتہ تھا، کوئی بشر اس شرف میں آپ کا ثانی نہیں نہ کسی کا علم اس فضیلت کا احاطہ کر سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ شیریں مقال تھے، ٹھہر ٹھہر کر بولتے، نپے تلے الفاظ استعمال فرماتے، کلام ضرورت سے کم نہ زائد از ضرورت ہوتا، واضح بیان، سننے والا ذہن نشین کر لیتا اور مفہوم پا لیتا، گویا آپ کی گفت گو موتیوں کی لڑی ہوتی جس میں کمی بیشی کا گزر نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی گفت گو کو تکلف، بندش، الفاظ میں تا، میم، فا کی تکرار، لکنت، تالو سے بولنے، چٹخارہ لینے، منہ بھر کر بولنے سے منزہ فرمایا تھا، آپ کی گفت گو کو زبان کا فطری انداز بخشا تھا، الفاظ کی ادائیگی پر مکمل گرفت عطا فرمائی، آپ کے الفاظ مفہوم سے لب ریز ہوتے اور آپ کی زبان الفاظ کے مخارج پر کماحقہ قادر اور گفت گو کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی نہایت شیریں ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

> رسول اللہ ﷺ کی گفت گو تمھاری گفت گو کی طرح لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی، بل کہ جب آپ گفت گو فرماتے، صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر بولتے، جو آپ کے پاس بیٹھا ہوتا اس گفت گو کو یاد کر لیتا۔ [۱۴]

دوسری روایت میں ہے:

۱۴۔ ترمذی: ج۵، ص۳۳۶، رقم ۳۶۵۹

رسول اللہ ﷺ اس طرح بات کرتے کہ اگر کوئی الفاظ گننا چاہتا تو گن لیتا۔ (۱۵)

سیدنا محمد ﷺ کو یہ انفرادیت عطا ہوئی کہ آپ مخاطب کی ذہنی رسائی تک اور فصاحت اور حسن بیان سے کام لیتے، قبائل عرب کے ہر قبیلے کے لحن اور ان کے طریقِ گفت گو کے مطابق گفت گو فرماتے تھے، آپ کا لب و لہجہ اور اندازِ گفت گو ان لوگوں کے انداز سے حسین تر اور جان دار ہوتا۔ تاریخ کسی ایسے انسان سے واقف نہیں جس نے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو، مختلف قبائل کی زبانیں سیکھنے کی کاوش نہ کی ہو پھر بھی اہل زبان سے زیادہ مہارت رکھتا ہو، اور دلیل و برہان میں ان پر فوقیت رکھتا ہو۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو فطری سلامتی، پاکیزہ حس اور بصیرت عطا فرمائی اور تمام قبائل عرب کی زبانیں مکمل طور پر آپ کی گرفت میں تھیں چناں چہ دورانِ تبلیغ آپ محکم انداز میں گفت گو فرماتے، کوئی زبان آپ کی رسائی سے دور نہ ہوتی، کوئی جملہ نہ چھوٹتا، روانی میں فرق نہ آتا اور تکلف کا شائبہ تک نہ ہوتا۔

باوجودے کہ آپ ناخواندہ قوم میں مبعوث ہوئے آپ خود اُمّی تھے، کوئی کتاب پڑھی، علم کا درس لیا نہ کسی عالم اور استاد کی صحبت میں رہے، پھر بھی عقل و دانش پر چھا گئے، آپ کے پیغام کی گہرائی اور گیرائی نے زبان کے ماہرین کو حیرت زدہ کر دیا، آپ کے احکام میں کوئی خفا نہ تھا، گفت گو لڑکھڑاہٹ سے پاک اور دیگر خطباء کی طرح کسی قسم کی لغوی پسپائی اور الفاظ کے انتخاب میں رکاکت اور گھما پھرا کر بات کرنے کے عیب سے منزہ تھی۔

عموماً خطیب اور فصیح لوگوں کی گفت گو کا سلسلہ دراز ہوتا ہے تو ان کی ہمت جواب دے جاتی ہے، ان کی گفت گو میں کم زوری در آتی ہے، اور بعض تو موقع اور مقام کی مناسبت سے گفت گو ہی نہیں کر پاتے۔ لیکن سیدنا محمد ﷺ کا کلام نہایت شُستہ، شائستہ، واضح، مفصل ہوتا، آپ ٹھہر ٹھہر کر بولتے، آپ کا کلام نبوت کا پرتو، فصاحت کا حُسن، شیریں مقالی اور موزونیت کا امتزاج ہوتا تھا۔ یہ سب خوبیاں محض عطیہ الٰہی تھیں، آپ نے اس کے حصول کے لیے کسی قسم کی کوشش اور تگ و دو نہیں فرمائی تھی۔

اسی لیے آپ کے صحابہ کرام آپ کے زبان و بیان سے حیرت زدہ رہتے، چناں چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں عرب کا کونہ کونہ گھوما ہوں، عرب کے فصحاء کی گفت گو سنی ہے لیکن میں نے آپ جیسا فصیح اللسان نہیں پایا، آپ کو ادب کس نے تعلیم فرمایا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:

مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور میری بہترین تادیب فرمائی۔ (۱۶)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اہل عرب میں انساب کے زبردست عالم اور نمایاں مقام کے حامل تھے، یہاں تک کہ "انسب من ابی بکر" کہا گیا۔ (گویا نسب دانی میں ان کی مہارت عدیم النظیر تھی، کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا)۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں رسول اللہ ﷺ کے اندازِ تکلم کے متعلق حضرت ہند رضی اللہ عنہ بن ابی ہالہ اور جاحظ کا کلام نقل کریں۔ ہند رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین اور فکر مند رہتے تھے، آپ کو راحت نہیں ملی، بلا ضرورت گفت گو نہ فرماتے، عموماً خاموش رہتے، (آپ کی خاموشی چار چیزوں علم، حذر (احتیاط) تقدیر اور تفکر پر مشتمل ہوتی تھی) گفت گو میں پورا دہن استعمال فرماتے، جامع الفاظ کے ساتھ گفت گو فرماتے، الفاظ ضرورت سے زائد نہ ضرورت سے کم ہوتے، کسی پر ظلم کرتے نہ کسی کی اہانت اور تذلیل فرماتے، نعمت کی قدر کرتے خواہ وہ کم مقدار میں ہوتی، اس کی مذمت نہ کرتے، اشیائے خورد و نوش کی برائی کرتے نہ تعریف، جب کوئی شخص حد سے تجاوز کرتا تو پھر کوئی آپ کے غصے کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا یہاں تک کہ آپ مظلوم کی دادرسی فرمالیتے۔ البتہ اپنی ذات کے لیے نہ کسی پر ناراض ہوتے نہ اس کا انتقام لیتے، جب کسی جانب اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، جب کسی بات پر تعجب کا اظہار کرتے تو ہاتھ پلٹ لیتے۔ جب آپ گفت گو فرماتے تو ہاتھوں کو ملا لیتے اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے، جب کسی سے ناراض ہوتے اس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے، جب خوش ہوتے تو آنکھیں بند فرمالیتے، عموماً آپ کی ہنسی مسکراہٹ تک رہتی اس وقت آپ کے دندان مبارک سفید چمک دار اولوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ (۱۷)

جاحظ کہتا ہے:

۱۶۔ آداب الاملاء والاستملاء: ص ۱

۱۷۔ شمائل: ج ۲، ص ۱۵۴، رقم ۲۲۴، ۲۲۵

آپ کے کلام میں حروف کم مگر مفاہیم اور معانی کی کثرت ہوتی، باوقار تکلم جو ہر قسم کے تکلف سے منزہ اور حکمت سے لبریز ہوتا، آپ کا کلام ہر طرح کے نقص اور عیب سے محفوظ، تائید ایزدی سے مضبوط اور توفیق یزدانی سے مربوط ہوتا۔[18]

اللہ تعالیٰ نے آپ کے کلام کو محبت کی آمیزش بخشی اور اسے قبولیت کا سائبان عطا فرمایا، ہیبت اور حلاوت کا حسین امتزاج، بات دہرانے کی ضرورت پیش نہ آتی، سننے والا دوبارہ کچھ کہنے کی حاجت محسوس نہ کرتا، آپ کا کوئی لفظ معیار سے کم تر ہوتا نہ آپ کی ثابت قدمی میں کبھی لغزش نظر آئی، آپ کی دلیل کبھی ناکامی سے دوچار نہیں ہوئی، کوئی مدمقابل آپ کے سامنے ٹھہر سکا نہ کوئی خطیب دلائل میں آپ کو خاموش کر سکا۔

آپ ﷺ طویل خطبوں کا مختصر سے جملوں میں جواب عطا فرما دیتے، بحث مباحثہ کرنے والوں کو ان کے معروف دلائل سے خاموش رہنے پر مجبور کر دیتے، آپ کی دلیل ہمیشہ سچ پر مبنی ہوتی، لوگوں نے آپ کے کلام سے زیادہ نفع بخش اور سچا کلام نہیں سنا، نہ آپ کے کلام سے زیادہ موزون، عمدہ، مطالب کے اعتبار سے پسندیدہ، موقع و محل کی مناسبت سے حسین تر، ادائیگی میں آسان تر معانی کے اعتبار سے فصیح تر اور مراد کے بیان میں واضح تر کسی کا کلام پایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام مضبوط ترین دلیل سے پہنچایا اور واضح ترین لفظوں میں بیان فرمایا، آپ سے کبھی نامناسب اور نامعقول کام اور بات صادر نہیں ہوئی، اسی لیے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے اور میرے لیے پُراز حکمت باتوں کو مختصر کر دیا گیا۔[19]

رسول اللہ ﷺ بقدرِ کفایت کلام فرماتے نہ ضرورت سے زائد نہ کم، بغیر ضرورت گفت گو نہ فرماتے خاموشی اختیار فرماتے، مقصود کو پیش نظر رکھتے، سو آپ کا کلام مونہوں میں رس گھولتا رہا، قلوب و اذہان میں محفوظ رہا، آپ کے ارشادات پر مبنی کتب تالیف ہوئیں، لغزشوں سے پاک کلام جس میں تکلف کی گراوٹ اور مبالغہ آمیزی کی لگاوٹ نہیں، آپ سوال کا تسلی بخش جواب مرحمت فرماتے، بحث مباحثہ میں کامیاب و کامران رہتے، آپ کے کلام میں بے بسی نے کبھی راہ پائی نہ وہ کبھی عجز سے ہم کنار ہوا، جب بھی کسی دشمن نے معارضہ کیا اس نے آپ کے واضح جواب سے منہ کی کھائی، آپ کا جواب واضح

۱۸۔ جاحظ۔ البیان والتبیین: ج ۲، ص ۱۳

۱۹۔ بیہقی، شعب الایمان: ج ۷، ص ۱۷۱، رقم ۴۸۳۷

اور آپ کے دلائل راجح رہے، آپ کی زبان بات میں کسی قسم کی تحریف سے محفوظ تھی، جھوٹ سے منسوب خبر کا آپ کے ہاں کوئی کام نہ تھا، صدق و امانت ہمیشہ آپ کے ہم رکاب رہے، کم سنی میں آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، بڑے ہو کر صدق و امانت آپ کے امتیازی وصف رہے۔ جو شخصیت اپنی ذات کے حوالے سے عصمت و پاکدامنی کا روشن مینار رہی وہ یقیناً حقوق اللہ کے معاملے میں اس سے بڑھ کر پاکدامن اور معصوم رہی، کسی منکر اور دشمن کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

ایجاز کلام (مقصود کی بہترین اسلوب سے ادائیگی) پر مشتمل آپ ﷺ کے بعض عدیم النظیر جملے:

لوگ اپنے اپنے ادوار سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔[۲۰]

عقل سراپا الفت اور دوسروں کے لیے الفت کا سامان ہے۔

العدة عطية[۲۱]

وعدہ عطیہ ہے۔

اليد العليا خير من السفلى[۲۲]

اوپر والا ہاتھ (دینے والا ہاتھ) نیچے والے (لینے والے) سے بہتر ہے۔

الخير كثير و قليل فاعله[۲۳]

نیکی بہت ہے اس کو کرنے والے تھوڑے ہیں۔

اذا اراد الله بعبد خيرا جعل له واعظا من نفسه[۲۴]

جب اللہ بندے کے لیے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کے ضمیر کو اس کا ناصح کر دیتا ہے۔

فصاحت میں آپ ﷺ کے بعض بے مثال ارشادات

میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک امانت کو مالِ غنیمت اور صدقہ کو چٹی نہیں سمجھیں گے۔

۲۰۔ یہ قول آپ ﷺ کی نسبت سے مرفوعاً نہیں مل سکا، البتہ اسے ابن اعرابی نے اپنی کتاب معجم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ (دیکھئے معجم ابن الاعرابی: ج ۲، ص ۴۵۵، رقم ۸۸۹)

۲۱۔ ابو نعیم۔ حلیۃ الاولیاء: ج ۶، ص ۲۵۹

۲۲۔ بخاری: ج ۱، ص ۳۵۰، رقم ۱۴۲۷

۲۳۔ الطبرانی۔ الاوسط: ج ۵، ص ۳۷۷، رقم ۵۸۰۶، ولفظہ الخیر کثیر و من یعمل بہ قلیل

۲۴۔ الدیلمی۔ مسند الفردوس: ص ۹۳

تین باتیں نجات دینے والی اور تین ہلاک کرنے والی ہیں، نجات دینے والی باتیں پوشیدہ اور علانیہ اللہ تعالیٰ کا خوف، مال داری اور فقر میں میانہ روی اور رضا اور غضب میں عدل سے فیصلہ کرنا ہے۔

ہلاک کرنے والی چیزیں بخل کی پیروی، خواہشات کی غلامی اور خود پسندی ہے۔

کمالِ عقل

رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے:

اللہم کما احسنت خلقی فحسن خُلقی (۲۵)

اے اللہ! جیسے تو نے میری تخلیق حسین بنائی ہے میرے خُلق (عادات) کو بھی حسین فرمادے۔

چوں کہ آپ کی شخصیت میں وہ باکمال خصائل جمع تھے کہ جن کی کوئی حد اور شمار نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مکرم کتاب میں ان الفاظ میں آپ کی تعریف فرمائی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ O (۲۶)

بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔

یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ حُسن خلق ایک روحانی ملکہ اور کیفیت ہے، اس کا حامل فرد بہ آسانی کار خیر میں مصروف رہتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں تمام مکارم اخلاق جمع تھے، موطا امام مالک میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق (۲۷)

میں عمدہ اخلاق کے اتمام کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

کان خلقه القرآن (۲۸)

آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔

۲۵۔ مسند احمد: ج۱، ص۶۶۵، رقم ۳۸۱۳

۲۶۔ ن: ۴

۲۷۔ امام مالک۔ مالک بن انس۔ الموطا: رقم ۳۳۵۷

۲۸۔ مسند احمد: ج۷، ص ۱۳۲، رقم ۲۴۰۸۰

جس طرح قرآن کے مفاہیم و معانی لامتناہی ہیں اسی طرح آپ ﷺ کے خلق عظیم پر دال اوصاف جمیلہ بھی غیر متناہی ہیں۔ آپ کے احوال میں سے ہر حالت میں مکارم اخلاق، فطری محاسن اور اللہ تعالیٰ کے عطافرمودہ علوم و معارف کے فیضان کی کئی نئی جہتیں ظہور پذیر ہوئیں، سو آپ کے اخلاقِ جمیلہ کی جزئیات کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں، اپنی پاکیزہ خلقت کے اعتبار سے کریمانہ اخلاق اور عادات و اطوار آپ کی جبلّت میں داخل تھے۔ یہ کمال آپ کی ذاتی کاوشوں کا نہیں بل کہ ربانی فضل و عطا کا نتیجہ تھا، آپ کا قلب مبارک معارف کے انوار کی جلوہ گاہ تھی جس کے سبب آپ نے انتہائی اعلیٰ اور ارفع مقام حاصل فرمایا۔

ان خصالِ حمیدہ کی اصل عقل کا کمال ہے، عقل ہی فضائل سے استفادہ اور رذائل سے اجتناب کی راہیں روشن کرتی ہے، عقل روحانی کیفیت ہے جس سے نفس ضروری اور نظری علوم حاصل کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو عقل اور علم میں ایسا باکمال مقام ملا کہ جس کی رفعتوں تک آپ کے سوا کسی انسان کی رسائی نہ ہو سکی۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب میں کس حُسنِ تدبیر سے کام لیا وہ عرب جن کی حیثیت آوارہ وحشیوں کی سی تھی، باہم نفرت و عداوت جن کی گھٹی میں پڑی تھی، آپ ﷺ نے ان کے معاملات درست کیے، ان کے ستم برداشت کیے، ان کی ایذاء رسانیوں پر صبر کیا، یہاں تک کہ وہ آپ کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے، آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ کی حمایت میں اپنے اہل و عیال، آباو اجداد اور اولاد سے جنگیں کیں، آپ کی ذات کو اپنی جانوں پر فوقیت دی، آپ کی خوش نودی کے لیے اپنے وطن اور دوست چھوڑے، جس کی کوئی سابقہ مثال موجود تھی نہ ہی آپ ﷺ نے گزشتہ اقوام کے حالات پر مشتمل کتب کا مطالعہ فرمایا تھا، اس امر میں غور و فکر کرنے والا انسان یقیناً کہے گا کہ آپ ﷺ نوع انسانیت کے سب سے زیادہ عقل مند انسان تھے۔

آپ کے عقل کی عظمت، آپ کی رائے کی درستی، فہم و فراست کی عمدگی، مقصد تک حسین رسائی، صدقِ یقین، انجام کار اور مصالح پر گہری نظر، باکمال تدابیر اور فضائل سے دلی وابستگی جیسے امور میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

جوامع الکلم، آپ کے ارشادات میں موجود حکمتیں، سابقہ آسمانی کتب کے مندرجات کا علم، حکماء کے دانائی کے اقوال، گزشتہ امتوں کے حالات، ضرب الامثال اور امتوں کی سیاسی رہنمائی، آپ کے

کمال عقل کی نمایاں مثال ہیں ۔ اور علوم کے وہ شعبے مثلاً طب اور کائنات کے خاص ضابطوں اور طور طریقوں کا علم جن میں آپ کی امت کے ماہر افراد نے آپ کے ارشادات کو نمونہ اور آپ کے اشارات کو بہ طور دلیل لیا ہے، اس پر مستزاد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ میں بے شمار معارف اور ہدایت کی راہوں کے دائمی نقیب علوم جمع فرما دیے، آپ کو دین و دنیا کی خیر پر مشتمل تمام امور سے بالخصوص مطلع فرما دیا، اپنی شریعت کے قوانین کا عارف، اپنی امانتوں کے اسرار کا محافظ، اپنے بندوں کا رہ نما و قائد، اپنے انبیاء و رسل اور گزشتہ ادوار کے سرکشوں کے حالات، آپ ﷺ کی بعثت شریفہ سے قبل کی امتوں کے طور طریقوں، ان کی مدتوں اور عمروں، گزشتہ امتوں کے حکماء کے پُر از حکمت اقوال اور ان کے مذہبی رہ نماؤں کے حالات سے باخبر فرمایا۔

اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو کفار کے خلاف واضح دلائل تلقین فرمائے، یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں مرقوم باتوں سے آگاہی بخشی، ان کی پوشیدہ چالیں، راز، کتب الٰہیہ میں تغیر و تبدل اور تحریفات کا علم عطا فرمایا۔

اللہ جل وعلا نے آپ ﷺ کو اہل عرب کی زبان اور اس کے نامانوس الفاظ پر کامل مہارت بخشی، آپ اہل عرب کی فصاحتوں اور ان کے ناصحین کی بلاغتوں کی اقسام سے خوب واقف تھے، آپ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے، آپ اہل عرب کی جنگوں کے عارف تھے، ان کی مثالوں، پُر حکمت اقوال اور اشعار کے مفاہیم کے شناسا تھے۔ آپ نے عربی زبان کو شریعت مطہرہ کی زبان بنا دیا، اسے محاسن اخلاق، آداب حمیدہ، حق و صواب کی عمدہ راہوں، پاکیزہ چیزوں کی حلت، ناپاک اشیا کی حرمت کا نقیب بنا دیا، آپ نے لوگوں کی عزتوں اور اموال کو حدود کے ذریعے محفوظ فرما دیا، دیگر تمام فنون مثلاً میراث کی تقسیم، حساب، تعبیر رؤیا، انساب کا علم وغیرہ سب اسی حاطے میں سمٹ آئے ہیں، ہر فن کے ماہرین نے آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی کو اپنا آئیڈیل اور پیشوا مانا ہے اور آپ کو اصل قرار دے کر آگے بڑھے ہیں اور آپ کے نقش قدم پر چلے ہیں حال آں کہ صاحب شرع ﷺ امی تھی آپ نے کہیں لکھا پڑھا نہیں تھا، کسی ایسے شخص کی صحبت میں نہیں رہے جو لکھنا اور حساب کرنا جانتا ہو، ایسی قوم میں پرورش نہیں پائی جن کے مکاتب و مدارس ہوں نہ علماء کے ہاں آپ کا آنا جانا رہا، کسی کاہن سے آپ کی ملاقاتیں رہیں نہ کسی باخبر شخص سے آپ کا واسطہ رہا۔

و معالم العلم الشریف بہ سمت
و طریقھا و ضحت بطالع فجرہ

دلیری و بہادری

نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہمت، دلیر، بہادر، جرأت مند، طاقت ور، سخت جان، دھن کے پکے، حملے میں ثابت قدم، پیش قدمی فرمانے والے، رازداری سے آگے بڑھ کر دشمنوں کے اجتماع کو منتشر اور بہادروں کو پسپا فرمانے والے تھے۔

آپ کے ارادوں کی پختگی کے تیروں اور آپ کی صدق رائے کی تیز تلوارں سے شک کے بادل چھٹ گئے، حق الیقین غالب آگیا، دشمن آپ کے عزم و صدق کی مضبوط تلوار سے ڈر گئے، ان کے خواب بکھر گئے، آپ نے ان کے سرداروں کو سرنگوں کر دیا، ان کے اقوال اور افعال کا کھوٹ نمایاں کر دیا، ان کی زمینیں، آبادیاں اور اموال مجاہدین کے لیے مباح فرما دیے، دشمنوں کو اپنے غضب کی شمشیر براں سے تہس نہس کر دیا۔ دین اسلام کو کافروں پر سخت صحابہ کے ذریعے غالب کر دیا، جنگوں اور لڑائیوں کی دھکم پیل میں بہ نفس نفیس خود شریک رہے، حنین کی گھاٹیوں میں چھپے دشمنوں کے تیروں کی بارش میں عزم و ہمت کا پہاڑ بن کر اپنی جگہ موجود رہے، مسلمان اچانک حملے سے گھبرا کر بھاگ گئے لیکن آپ ثابت قدم رہے بل کہ آگے بڑھتے رہے، پیٹھ دکھائی نہ آپ کے قدم ڈگمگائے۔ سواروں کے دستے میں سب سے پہلے آپ حملہ آور ہوئے، اگر کسی آواز سے لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوتی تو سب سے پہلے آپ ادھر خبر گیری کو نکلتے، دورانِ جہاد گھمسان کی لڑائی میں کوئی آپ سے زیادہ ثابت قدم نہ ہوتا، برستی تلواروں میں آپ ہی مشرکوں کے سب سے زیادہ قریب رہتے تھے۔

سختیوں کے گھیرے میں آپ متزلزل نہ ہوئے، جنگ و جدل کے کرب میں آپ صابر رہے، ہر حال میں آپ پرسکون رہے، تکالیف میں گھبرائے نہ کسی بڑی سے بڑی مصیبت میں عاجزی کا اظہار فرمایا، قریش مکہ نے آپ پر ظلم و ستم کے ایسے پہاڑ توڑے کہ ہمت جواب دے جائے مگر اس عالم میں بھی ناتوانی کے باوصف غالب فرد جیسی ہمت کا مظاہرہ فرماتے رہے اور ثابت قدمی سے آگے بڑھتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دشمنوں سے چومکھی جنگ لڑی جنہوں نے ہر طرف سے آپ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، آپ عرب کے ایک گوشے میں اپنے ساتھیوں کی معمولی سی تعداد کے ساتھ موجود تھے، ان حالات میں آپ نے دین اسلام کا پرچم بلند کیا اور اسے غلبہ عطا کیا، رو در رو دشمن کے مقابل آکر اُسے

مغلوب کر دیا، آپ نے دشمنوں کا پوری استقامت اور صبر و تحمل سے مقابلہ کیا، ہر جنگ اپنے صبر سے جیتی اور اپنا کامیاب دفاع کیا، آپ کبھی میدانِ جنگ سے پسپا ہوئے نہ کبھی دشمن سے مرعوب ہوئے۔

ہم نے جس بہادر کے متعلق سنا اس نے کبھی نہ کبھی پسپائی ضرور اختیار کی اور فرار کی ذلت سے دوچار ہوا، لیکن حضرت محمد ﷺ جنگ کے مشکل ترین مراحل میں بھی استقامت کے کوہِ گراں بن کر میدان کارزار میں ثابت قدم رہے، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

> (بدر کے روز شدید) لڑائی میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اپنا بچاؤ کرتے آپ سب سے زیادہ دشمن کے نزدیک ہوتے تھے۔ (۲۹)

آپ دورِ حاضر کے قائدین کی طرح نہیں تھے جو دشمن کے حملوں اور جنگ کی ہلاکت خیزیوں میں اپنی حفاظت کے سامان کرنے میں لگے ہوتے ہیں اور اپنی سلامتی کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں۔

دنیا سے بے رغبتی اور خشیتِ ربی

رسول اللہ ﷺ دنیا سے بے رغبت تھے، دنیاوی مال و متاع کو کم تر گردانتے اور اس کی خوش نمائیوں سے کنارہ کش رہتے، ہمیشہ عبادت و ریاضت سے کام رکھتے، پاک دامنی آپ کا شعار تھا، بہ قدرِ ضرورت خوراک اور پوشاک پر قناعت فرماتے۔ خود گاڑھے کی چادر زیب تن فرماتے اور اپنے صحابہ میں ریشمی حلّے تقسیم فرماتے، آپ کی زندگی مشکلات سے عبارت تھی، آپ کی خوراک انتہائی کم، آپ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، خالی پیٹ رات گزارتے اور صبح کو روزہ رکھ لیتے، کبھی دسترخوان پر نہیں کھایا نہ کبھی متواتر دو دن پیٹ بھر کر جَو کی روٹی تناول فرمائی۔ اپنے پیچھے کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا، ہتھیار اور خچر آپ کا ترکہ تھا یا پھر وہ زمین جسے آپ نے صدقہ قرار دیا تھا، حال آں کہ آپ کے پاس تاجوروں کے تحائف آ رہے تھے، جزیے اور زکوٰۃ و صدقات کے اموال کے ڈھیروں ڈھیر لائے جا رہے تھے، دنیاوی نعمتیں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ پیش ہو رہی تھیں مگر آپ درہم و دینار کی طرف متوجہ نہیں ہوئے بل کہ جو کچھ آ رہا تھا اسے خیر کے کاموں میں صرف فرما رہے تھے، فاقہ کشوں کی دست گیری، مسلمانوں کی خیر خواہی اور مشرکوں کی دراز دستوں کے دفعیے کے کام میں لا رہے تھے۔

۲۹۔ مسند احمد: ج ا، ص ۲۰۳، رقم ۱۰۴۵

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو سیدنا محمد ﷺ پر یہ افتراء باندھتا ہے کہ آپ لذات و شہوات کے دل دادہ تھے، حال آں کہ آپ کی رہائش گاہ، خورد و نوش، لباس اور تمام امور اور احوال میں آپ کی تنگ دستی عیاں تھی، عموماً آپ کا کھانا روٹی اور پانی پر مشتمل ہوتا، پیوند لگا لباس ہوتا، اپنی بکری کا دودھ دوہ لینے میں عار نہ سمجھتے، رات کو اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہتے اور دن اللہ کے دین کی نشر و اشاعت میں بسر کرتے، انسانی خواہشات کے مطابق مرتبہ، دولت اور حکم رانی کے قطعی طالب نہیں تھے، اپنے تذکرے اور شہرت کے مطلق خواہش مند نہ تھے، آپ کی یہ ہی دل موہ لینے والی ادائیں تھیں کہ اہل عرب دل و جان سے آپ کی عزت و توقیر اور احترام و عظمت کے قائل ہو گئے، حال آں کہ یہ وہی عرب تھے جنھوں نے عرصہ دراز تک آپ پر جور و جفا اور ظلم و ستم کیے تھے، اگر یہ لوگ آپ میں فضل و کمال کے یہ مظاہر نہ دیکھتے تو تیئیس سال تک مسلسل حالتِ جنگ میں رہنے کے باوجود آپ کی قیادت و سیادت پر گردنیں نہ جھکاتے۔ سیدنا محمد ﷺ کے بہ جائے اگر کوئی رومی شہنشاہ اپنے تاج اور شہنشاہی عصا سمیت بھی آ جاتا تو اہل عرب سے وہ فرماں برداری نہ حاصل کر سکتا جو سیدنا محمد ﷺ نے اپنے دست مبارک سے پیوند لگائے ہوئے لباس میں حاصل کی، یہ ہی دلیل عظمت ہے۔

آپ ﷺ خشیت الٰہی سے لرزاں رہتے، ہمیشہ عبادت میں منہمک، اطاعتِ الٰہی کے جویا رہتے، آپ ﷺ کی اطاعت ذاتِ باری سے آپ کی محبت کی دلیل اور آپ کی خشیت اپنے رب کی ذات و صفات سے آپ کے علم کا نتیجہ تھی، طویل نمازیں پڑھتے اور رات کو کم آرام فرماتے تھے۔ یقین آپ ﷺ کی قوت، رضائے رب آپ کی سواری، معرفت رأس المال، طاعت آرزوؤں کی تکمیل، شوق آپ کا مرکب، تفکر آپ کا ساتھی، اعتماد اور بھروسہ آپ کا خزانہ، تقویٰ آپ کا فخر، عقل آپ کا چراغ، جہاد آپ کا دوست، علم آپ کا ہتھیار اور آپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں تھی اور آپ کے قلب انور کا ثمرہ اس ذات کا ذکر تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

احترامِ نفس

سیدنا محمد ﷺ ریا اور تصنع سے مبرا تھے، آپ نے کبھی ایسی چیزوں کا دعویٰ نہیں کیا جو آپ میں نہ تھیں، آپ متکبر تھے نہ ہی ذلیل خاک نشین، بل کہ اپنے پیوند زدہ لباس میں قیصر روم و کسریٰ عجم جیسے

فرمانرواؤں کو حق بات سے مخاطب فرماتے، عظیم بادشاہوں کو اس دنیا میں کام یابی اور کامرانی کی راہوں کو اختیار کرنے کی تلقین فرماتے، انہیں آخرت کے لیے ضروری تیاری کا ارشاد فرماتے۔

آپ ﷺ اپنی زندگی کی قدر سے خوب واقف تھے، آج کا کام کل پر نہ چھوڑتے، کبھی بے فائدہ کام کیا نہ ہی قول اور فعل میں کبھی لہو ولعب کی طرف متوجہ ہوئے، بل کہ ہمیشہ فنا اور بقا کے معاملات میں غور وفکر فرماتے، ایسی بحثوں سے دور رہتے جن کا نتیجہ وقت کا ضیاع اور حقائق کے خلاف ہوتا، آپ جھوٹی شان وشوکت کے مظاہروں سے الگ تھلگ رہتے اور اسے ناپسند فرماتے تھے۔

اللہ کی قسم! آپ ﷺ ان لوگوں میں قطعاً شامل نہیں جن کے اقوال واعمال کذب کا مجموعہ ہوتے ہیں جن کی زندگی کا ہر لمحہ جھوٹ کا شاہکار ہوتا ہے، شرف وعزت اور صدق وامانت جن میں برائے نام ہوتے ہیں، چکنی چپڑی، دھوکے اور فریب سے لتھڑی باتیں جن کا طرۂ امتیاز ہوتی ہیں، ملمع کاری پر مبنی گفت گو، ایسی خوش نما زہریلی سبزی کی مانند جو اپنے مزے کے باوجود زہر قاتل اور موت کا پیغام ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کے اجتماعی فضائل

جود وسخا

رسول اللہ ﷺ صدقہ، نیکی اور خیر کے کاموں میں جلدی فرماتے تھے، آپ کا سینۂ اقدس تمام مخلوق کے سینوں سے کشادہ تر اور آپ کا نفس مطمئنہ سب نفوس سے پاکیزہ ترین تھا، جود وسخا کی شرحِ صدر میں نہایت عمدہ تاثیر ہے۔ آپ بلند ہمت، نمایاں فضل وکرم، گراں قدر عادات واطوار، رحم دلی و احسان سے متّصف عظیم معطی، مثالی سخی تھے، آسانی سے خرچ کرنے والے، نہایت فیاض، روزی رزق بہم پہنچانے والے، وسائل فراہم فرمانے والے تھے، امیدوار کو ناامید نہ فرماتے، مرغوب چیزیں خرچ فرماتے، مصائب میں دست گیری فرماتے، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے، تہی دستوں کا بندوبست کرتے اور ایسے عطیہ سے نوازتے جس کے بعد فاقہ کشی کا اندیشہ نہ رہتا، کل کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھتے، آپ پانی سے بوجھل بادلوں سے زیادہ سخی اور نفع رسانی میں تیز ہوا سے زیادہ سبک رفتار تھے۔ کسی سائل کے جواب میں کبھی ... نہیں نہ فرمائی اور کسی طلب گار سے اعراض نہیں فرمایا، ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں کی

رہائی اس کی مستند گواہی ہے۔ جو کچھ موجود ہوتا تقسیم فرما دیتے، جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے آپ کی زرہ اپنے اہل خانہ کے لیے جَو کے بدلے یہودی کے پاس گروی رکھی تھی حال آں کہ جزیرہ نما عرب آپ کے زیر فرمان تھا، یہاں کے بادشاہوں اور رئیسوں کی کثیر تعداد کے خزانے مال و دولت سے لب ریز تھے، جن پر انہیں فخر تھا، اب ان کی مملوکہ سرزمین رسول اللہ ﷺ کے تصرف میں آچکی تھیں مگر آپ نے مال و دولت کی طرف مطلق توجہ نہیں دی۔

آپ قلیل مقدار میں معمولی خوراک استعمال فرماتے، موٹا جھوٹا لباس پہنتے، اس کے باوجود گراں قدر عطیات عطا فرماتے اور کسی قسم کی تنگی ترشی در آنے کا خیال نہ فرماتے اور فاقہ کشی کا اندیشہ نہ فرماتے۔

آپ سے ایسے وقت میں سوال کیا جاتا جب آپ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہوتا تو آپ دینے کا وعدہ فرما لیتے لیکن سائل کا سوال رد نہ فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوحات کا انتظار فرماتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتے تھے:

> آپ سب انسانوں سے زیادہ سخی، کشادہ دل، سچے، عہد اور ذمہ داری نبھانے والے، نرم خو اور نہایت عمدہ معاشرت والے تھے، اچانک دیکھنے والا آپ سے ہیبت زدہ ہوتا اور ملنے ملانے والا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ [۳۰]

آپ کے پاس نوے ہزار درہم لائے گئے، چٹائی پر ڈھیر کر دیے گئے، آپ انہیں تقسیم فرماتے رہے کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا یہاں تک کہ تمام رقم تقسیم فرما دی۔

ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا، آپ نے فرمایا: اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے تم ایسا کرو میرے نام پر خرید لو جب ہمارے پاس کچھ آئے گا ہم تمھارا قرض ادا کر دیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کا مکلف نہیں فرمایا جو آپ کے بس میں نہ ہو، آپ کو یہ بات ناپسند آئی، ایک صاحب نے کہا: آپ خرچ فرمائیں عرش والے سے تنگ دستی اور کمی کا اندیشہ نہ فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ مسکرا دیے اور آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار نظر آنے لگے۔ [۳۱]

جب آپ ﷺ غزوۂ حنین سے لوٹے بدوی آپ سے مال طلب کرنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کر دیا، آپ کی چادر درخت میں پھنس کر رہ گئی، آپ رکے اور فرمایا:

۳۰۔ ترمذی: ج۵، ص ۳۶۴۔۳۶۵، رقم ۳۶۵۸

۳۱۔ الشمائل: ج۵، ص ۵۷۰، رقم ۳۵۴

لوگو! میری چادر دے دو اگر میرے پاس ان درختوں کی تعداد کے برابر چوپائے ہوں تو انہیں بھی تم پر تقسیم کردوں اور تم مجھے بخیل پاؤ نہ بزدل اور جھوٹا۔ (۳۲)

حضرت صفوان بن امیہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا، حال آں کہ آپ مجھے سب لوگوں سے زیادہ ناپسند تھے، آپ مجھے عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے، میں گواہی دیتا ہوں ایسی مسلسل عطا صرف نبی علیہ السلام ہی کر سکتا ہے۔ (۳۳)

حضور ﷺ نے صفوان کو کثیر عطیہ دیا کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ ان کے کفر و شرک کی بیماری کا یہ ہی علاج ہے، آپ نے عطایا کی کثرت سے ان کی کفر و شرک کی بیماری دور کر دی۔

صحیح البخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا، یہ آپ کے پاس سب سے زیادہ لایا جانے والا مال تھا۔ آپ نے اسے پھیلانے کا حکم دیا، پھر رسول اللہ ﷺ مسجد کی طرف آئے مال کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائی، نماز کے بعد آپ مال کے پاس بیٹھ گئے اور جس کو دیکھا اسے عطا فرمایا، آپ اس وقت تک نہ اٹھے جب تک ایک درہم باقی رہا۔ (۳۴)

ایک خاتون آپ کی خدمت میں چادر لائی اور کہا یا رسول اللہ! یہ میں آپ کے لیے لائی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے چادر لے لی آپ کو اس کی ضرورت تھی، اسے زیب تن فرمالیا، ایک صحابی نے وہ چادر دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بہت اچھی چادر ہے آپ مجھے عطا فرمادیں، آپ نے فرمایا: ہاں، جب آپ اٹھے صحابہ نے سائل کو ملامت کی اور کہا: تم جانتے ہو نبی ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی اور آپ سے کوئی چیز مانگی جائے تو آپ انکار نہیں فرماتے۔ (۳۵)

آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پُرمشقت گھریلو کام کاج کی شکایت کی اور ہاتھ بٹانے کے لیے خادم مانگا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں تسبیح، تکبیر اور تحمید (سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ) سے مدد چاہنے کا حکم دیا اور فرمایا: کیا میں تمہیں خادم دے دوں اور اصحاب صفہ کو چھوڑ دوں؟ حال آں کہ ان کے پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھوں سے لگ چکے ہیں۔ جب کہ میرے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ (۳۶)

۳۲۔ بخاری: ج ۲، ص ۳۱۵، رقم ۳۱۴۸
۳۳۔ مسلم: ج ۴، ص ۲۶، رقم ۲۳۱۳
۳۴۔ بخاری: ج ۱، ص ۱۰۸، رقم ۴۲۱
۳۵۔ بخاری: ج ۴، ص ۹۵، رقم ۶۰۳۶
۳۶۔ مسند احمد: ج ۱، ص ۱۷۰، رقم ۸۴۰

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک سوالی آیا آپ نے فرمایا بیٹھو، اللہ تمہیں عطا فرمائے گا، پھر دوسرا پھر تیسرا سائل آیا، آپ نے سب سے فرمایا بیٹھ جاؤ، اس دوران ایک صاحب نے چار اوقیے پیش کیے اور عرض گزار ہوئے یارسول اللہ! یہ صدقہ ہے، آپ نے بالترتیب پہلے، دوسرے اور تیسرے سائل کو بلا کر ایک ایک اوقیہ عطا فرمایا، ایک اوقیہ باقی رہا، آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا: کسی کو ضرورت ہو تو لے لو، کسی نے نہیں مانگا، رات کو آپ ﷺ نے اسے سر کے نیچے رکھ دیا، آپ کا بستر چغے پر مشتمل تھا۔ آپ کو نیند نہ آئی، آپ بار بار کھڑے ہوتے نماز پڑھتے، حضرت عائشہ رضوان اللہ علیہا نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو کوئی پریشانی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، پوچھا: کیا اللہ کا کوئی حکم آیا ہے؟ فرمایا: نہیں، عرض کیا آج رات آپ نے خلاف معمول کام کیا ہے، آپ نے وہ اوقیہ نکال کر فرمایا: اس کی وجہ سے میں نے ایسا کیا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ اس کے دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی امر وارد نہ ہو جائے۔ (میں اس دنیا سے نہ چلا جاؤں)

آپ ﷺ کی تمام تر سخاوت اللہ کے لیے اور اس کی رضا جوئی کے لیے تھی، کبھی آپ فقیروں، محتاجوں کو مال عطا فرماتے، کبھی راہِ خدا میں خرچ کرتے، کبھی ایسے لوگوں کی تالیف قلب میں صرف کرتے جس سے اسلام کو تقویت ملتی، اپنی ذات اور اولاد پر دوسروں کو ترجیح دیتے، آپ کی عطا قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہوں کو شرماتی لیکن خود فقرا کی سی زندگی بسر فرماتے، مہینہ مہینہ، دو دو مہینے گزرتے آپ کے گھر میں چولھا نہ جلتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> میں مومنوں کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں، جو شخص قرض چھوڑ جائے وہ میرے ذمے ہے اور جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہے۔[۳۷]

ہر حاسد، دشمن، بے دین اور منکر نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قول یا فعل میں عیب پائے یا آپ کے ارشادات اور خوش طبعی کے واقعات میں آپ کے مقام و مرتبے سے کم تر کوئی بات تلاش کرنے میں کامیاب ہو، پوری کوشش اور بہ کثرت معاندین کے باوجود انہیں کامیابی نہ ملی اور منہ کی کھانی پڑی، اس سے بڑھ کر کون سی فضیلت ہے کہ آپ کے دشمن اور حاسد بھی آپ کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے، اور وہ آپ کی ذات اقدس میں کمی، اور کسی عیب کا شائبہ تک نہ پا سکے، اور ہاتھ ملتے رہ گئے۔

۳۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۷۹۷، رقم ۲۳۹۹

شهد الانام بفضله حتى العدا
و الفضل ما شهدت به الاعداء

دشمنوں تک سب لوگوں نے آپ کی فضیلت کی گواہی دی، حقیقی فضیلت یہ ہے کہ دشمن بھی اس کی گواہی دیں۔

جو شخصیت فضائل کی انتہائی بلندیوں تک رسائی رکھتی ہو، در پیش مقاصد کی غرض و غایت سے کما حقہ واقف ہو وہی دنیا کی سرداری کی اہل ہوتی ہے، اور مخلوقات کے مصالح کی نگہ بانی کی سزاوار ہوتی ہے، پیغمبر کے سوا کسی انسان کی یہ مجال نہیں کہ وہ صلاح و فلاح کی ترویج کرے اور فتنہ و فساد کو بیخ و بن سے اکھیڑ دے۔ رسول اللہ ﷺ ہی اس کے اہل تھے، آپ ہی اس ذمہ داری کو نبھا سکتے تھے، سو آپ کی بعثت سے تمام معاملات سلجھ گئے آپ ﷺ انسانیت کی فلاح و صلاح کے حقوق کے کفیل ہو گئے، فرائض اور حقوق میں توازن و تناسب پیدا ہوا، یہ ہی کامیابی ہے، ہر انتظام کی اساس ہے اور یک جائی کا قاعدہ اور قانون ہے۔

حسن معاشرت

جہاد فی سبیل اللہ کے سوا آپ ﷺ نے کسی خادم کو کبھی ڈانٹا نہ مارا پیٹا، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

> میں نے دس سال نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی آپ نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا، نہ میرے کسی کام پر آپ نے یہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا، اور نہ ہی میرے کوئی کام نہ کرنے پر آپ نے یہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں نہیں کیا۔ [۳۸]

اپنے سب خادموں اور خادماؤں کے ساتھ آپ کا یہ ہی برتاؤ رہا، آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں مارا، یقیناً تائید ربانی کے بغیر کسی بشر کی فطرت میں یہ کمال نہیں آسکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تو سب انسانوں سے زیادہ نرم مزاج اور ہنسنے مسکرانے والے ہوتے تھے۔ [۳۹]

آپ ﷺ دراز گوش پر سواری کرتے، کسی کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے، آپ نے اپنی بعض

۳۸۔ مسلم: ج ۴، ص ۳۴، رقم ۲۳۰۹

۳۹۔ ابن راھویہ۔ المسند۔ مکتبۃ الایمان، مدینۃ منورہ ۱۹۹۱: ج ۲، ص ۴۳۴، رقم ۱۰۰۱

ازواج مطہرات کو ہم رکاب بنایا[۴۰]، حضرت معاذ بن جبل[۴۱] اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما[۴۲] کو ہم رکابی کا شرف بخشا۔

مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سفر کے دوران اپنے صحابہ کو بکری تیار کرنے کا حکم فرمایا، ایک صاحب نے کہا: یارسول اللہ! اس کا ذبح کرنا میرے ذمہ ہوا، دوسرے نے کہا: اس کی کھال میں اتاروں گا، ایک اور صاحب نے کہا: میں اسے پکاؤں گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکڑیاں میں لاؤں گا، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی جگہ ہم کام کریں گے، آپ نے فرمایا: مجھے علم تھا میرے بدلے تم کام کردو گے لیکن میں تمہارے درمیان ممتاز نہیں ہونا چاہتا، اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندے کو ناپسند فرماتا ہے جو اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہنا چاہتا ہے۔[۴۳]

نجاشی کا وفد آیا آپ ان کی خدمت میں لگ گئے، صحابہ کرام نے کہا: یہ کام ہم کریں گے، آپ نے فرمایا: انہوں نے میرے صحابہ کی (اپنے ملک حبشہ میں) عزت کی، میں ان کی اس نیکی کا بدلہ دینا پسند کرتا ہوں۔

آپ ﷺ کے پاس ایسی خاتون آئی جس کے دماغ میں قدرے خلل تھا، کہنے لگی مجھے آپ سے کام ہے، آپ نے فرمایا بیٹھو، مدینہ کی جس گلی میں چاہو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا یہاں تک کہ تمہاری ضرورت پوری ہوجائے، آپ اس خاتون کے ہمراہ تشریف لے گئے اور اس کی ضرورت پوری کردی۔[۴۴]

صحیح البخاری میں ہے کوئی لونڈی آتی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑتی، وہ جہاں تک چاہتی آپ اس کے ساتھ تشریف لے جاتے۔[۴۵]

دورانِ نماز سجدے کی حالت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار ہوگئے، آپ نے حسن رضی اللہ عنہ کے اترنے تک سجدہ دراز کرلیا، نماز سے فراغت کے بعد کسی صحابی نے عرض کیا: آپ نے طویل سجدہ فرمایا، آپ نے بتایا میرا بیٹا میری پیٹھ پر چڑھ گیا، سو میں نے جلدی کرنا مناسب نہ سمجھا۔[۴۶]

۴۰۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۹۵، رقم ۳۰۸۵
۴۱۔ بخاری: ج ۴، ص ۸۷۔ ۹۷، رقم ۵۹۶۷
۴۲۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۶۹، رقم ۲۹۸۷
۴۳۔ المقریزی، أحمد بن علي بن عبد القادر۔ امتاع الاسماع۔ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۹ء: ج ۲، ص ۱۸۸
۴۴۔ ابوداود: ج ۴، ص ۲۷۶، رقم ۴۸۱۸۔ ۴۸۱۹
۴۵۔ بخاری: ج ۴، ص ۱۰۳، رقم ۶۰۷۲
۴۶۔ مسند احمد: ج ۴، ص ۵۵۰، رقم ۱۵۶۰۳

آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ دل لگی کی باتیں کرتے تھے، زہیر نام کے ایک صحابی دیہات میں پیدا ہونے والی نئی سبزیاں آپ کی خدمت میں بہ طور تحفہ حاضر کیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ شہر میں موجود نئی اشیا اسے بدلے میں تحفتاً عطا فرمایا کرتے تھے، آپ فرماتے زہیر ہمارا دیہاتی اور ہم اس کے شہری ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے زہیر کو بازار میں کھڑا دیکھا تو اس کے پیچھے جا کر اسے اپنے سینے سے چپکا لیا، زہیر نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے، وہ آپ کی برکت کے حصول کے لیے اپنی پیٹھ آپ کے سینے سے ملنے لگا، رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: اس غلام کو کوئی خریدے گا؟ زہیر بولے تب تو آپ مجھے کم قیمت پائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کے ہاں گراں قیمت ہو۔ (۴۷)

رسول اللہ ﷺ مزاح فرماتے لیکن اس میں حق بات فرماتے چناں چہ آپ کے پاس ایک کم عقل شخص نے آکر کہا: یارسول اللہ! مجھے سواری عنایت فرمائیں، آپ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا، وہ بولا اونٹنی کا بچہ میرے کس کام کا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کیا ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ نہیں ہوتا۔ (۴۸)

ایک بڑھیا آپ کی خدمت میں آکر عرض گزار ہوئی یارسول اللہ! میرے لیے دعا فرمائیں اللہ مجھے جنت عطا فرمائے، آپ نے فرمایا: اے ام فلاں! جنت میں بوڑھی عورتیں نہیں جائیں گی، وہ روتی ہوئی واپس جانے لگی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اسے بتاؤ عورتیں بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائیں گی (جوان ہو کر جائیں گی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ (۴۹)

اُن کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں باکرہ بنا دیں گے، اپنے شوہروں کی عاشق اور عمر میں ہم سن۔ (۵۰)

انسؓ کے بھائی ابو عمیر نے بلبل پالا ہوا تھا اس کے ساتھ کھیلا کرتے، بلبل مر گیا، نبی ﷺ ان کے گھر میں تشریف لائے دیکھا ابو عمیر اداس بیٹھا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: اسے کیا ہوا؟ بتایا گیا اس کا بلبل مر گیا

۴۷۔ مسند احمد: ج ۳، ص ۱۳۸، رقم ۱۲۲۳۷۔ (صحابی مذکور کا نام زاہر بن حرام ہے)
۴۸۔ ابوداود: ج ۴، ص ۳۲۸، رقم ۴۹۹۸
۴۹۔ الواقعہ: ۵۶:۳۵ تا ۳۷
۵۰۔ ترمذی مع الشمائل: ج ۵، ص ۵۴۵، رقم ۲۳۹

ہے، آپ نے فرمایا: اے ابو عمیر! تیرے بلبل نے کیا کیا؟ (آپ نے اس سے خوش طبعی فرمائی)[۵۱]

رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے سب سے بہترین محبت فرمانے والے، نہایت عمدگی سے عہد و پیمان پورا فرمانے والے، حقوق کو یاد رکھنے والے، نہایت متواضع، عفت و عصمت کا بہت خیال رکھنے والے، سب سے زیادہ سچے لب و لہجہ والے، پوشیدہ و ظاہر ہر حالت میں بے مثال اور بہ کثرت فضل و احسان کرنے والے تھے، مروت کے پتلے، پرانی دوستی کا حق ادا فرمانے والے تھے، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا سلوک فرماتے، اپنے چھوٹے بچوں سے نماز تک میں مہربانی فرماتے، اگر کوئی نامناسب بات کہہ دیتا چشم پوشی فرماتے، آپ کی مجلس علم وہدایت کی مجلس اور نیکی، حیا اور حلم کی محفل ہوتی، عیب جوئی ہوتی نہ کسی کی برائی کی جاتی، جب آپ گفت گو فرماتے نرمی سے گفت گو فرماتے اور اگر خاموشی اختیار فرماتے تو پہلے سے زیادہ باوقار نظر آتے۔

آپ ﷺ جفا کار اور اہانت کرنے والے نہ تھے، آپ بااخلاق اور وسعت ظرف والے تھے، صحابہ کے لیے والد جیسے تھے، آپ کی نظر میں صحابہ حق کے معاملہ میں برابر تھے، آپ اپنے ہم نشین کو توجہ میں اس کا حصہ عطا فرماتے، سب پر یک ساں توجہ فرماتے، کوئی ساتھی یہ نہ سمجھتا کہ فلاں آپ کی نظر میں زیادہ باعزت ہے، گفت گو اور سوال میں ناواقفوں کی تلخ کلامی پر صبر فرماتے، اگر کوئی آپ کو بٹھا لیتا یا کوئی ضرورت پیش کرتا آپ اس کا ساتھ دیتے یہاں تک کہ وہ خود چلا جاتا، دین اور خُلق میں صاحب فضیلت حضرات کو ترجیح دیتے، لوگوں کو اللہ کا خوف دلاتے اور ان سے روگردانی کیے بغیر ان سے دامن بچا کر رکھتے، غیر مطلوب چیزوں سے تغافل فرماتے، کسی کی ناپسندیدہ چیز کا اس کے سامنے تذکرہ نہ فرماتے، آپ کے ہاں افضل انسان وہ ہوتا جس میں خیر خواہی سب سے زیادہ ہوتی۔ عظیم المرتبت وہ ٹھہرتا جو لوگوں سے سب سے زیادہ ہم دردی اور حسن سلوک کرتا۔ صحابہ کرام آپ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑے نہ ہوتے کہ آپ اسے ناپسند فرماتے تھے، جب آپ کسی مجلس میں تشریف لاتے تو مجلس کے آخر میں بیٹھ جاتے، جب کسی مجلس میں لوگ آخرت کے متعلق گفت گو کر رہے ہوتے آپ بھی ان کی گفت گو میں شامل ہو جاتے اور اگر کھانے پینے کی چیزوں یا دنیاوی امور میں تبادلہ خیالات کر رہے ہوتے تو آپ بھی ان کی دل جوئی کے لیے شریک گفت گو ہوتے۔

۵۱۔ بخاری: ج ۴، ص ۱۳۴، رقم ۶۲۰۳

مسکینوں، ناداروں کی دعوت قبول فرمالیتے، مدینے کے دوسرے سرے تک، مریضوں کی عیادت کو تشریف لے جاتے، معذرت کرنے والے کی معذرت قبول فرمالیتے، نیکی کا حکم دیتے نیکوں کے قریب رہتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے بل کہ عفوودرگزر فرماتے اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے۔ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے، ممکنہ حد تک خیر اور بھلائی سے کام لیتے، صلہ رحمی فرماتے، مہمان نوازی فرماتے، اور جور وجفا کے اسباب کا قلع قمع فرماتے تھے، ہمیشہ وعدہ پورا کرتے، مختصر گفت گو فرماتے، اپنے صحابی کو ان کے محبوب نام اور کنیت سے بلاتے، ان سے گفت گو پسند فرماتے، ان کے بچوں سے خوش طبعی فرماتے، کسی کے بلانے پر ہمیشہ لبیک سے جواب دیتے اور تمام ہم نشینوں سے یک ساں محبت و مودّت فرماتے تھے۔

ناپسندیدہ امور سے چشم پوشی اور قدرت کے باوجود عفوودرگزر

رسول اللہ ﷺ نے صبر وتحمل اور بردباری سے وافر حصہ پایا تھا، بہ کثرت احسان اور بھلائی فرمانے والے تھے، تعلق توڑنے والے سے تعلق جوڑتے، منع کرنے والے کو عطا فرماتے، محروم کرنے والے کو نوازتے، ظلم کرنے والے سے درگزر فرماتے، برائی سے چشم پوشی کرتے، کسی کو دکھ نہ دیتے، ناپسندیدہ اور تکلیف دہ باتوں پر صبر کرتے، جاہلوں کی اذیت رسانی آپ کے صبر وحلم میں اضافہ کرتی، اگر دو کاموں میں اختیار ملتا ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے جب کہ وہ گناہ سے آلودہ نہ ہو۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کا مؤاخذہ نہیں فرمایا جنہوں نے آپ کے دندانِ مبارک کو شہید کیا تھا بل کہ ان کی ہدایت کے لیے دعا کی اور ان کو معاف فرمادیا۔ آپ ﷺ نے ایسے کئی مواقع پر عفوودرگزر سے کام لیا، منافقوں نے اپنے اموال اور اعمال سے آپ سے جس قسم کا سلوک کیا، آپ نے اس سے درگزر فرمایا، فضل وبخشش سے کام لیتے ہوئے کبھی گالی کا جواب گالی سے نہ دیا نہ ہی برائی کا برائی سے۔

ایک روز بدوی نے آکر کچھ مانگا، آپ ﷺ نے عطا فرمایا، پھر اس سے دریافت فرمایا: میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے؟ بدوی نے کہا: نہیں، آپ نے اچھا سلوک نہیں کیا، مسلمان غصے میں آگئے اور اسے مارنے کو لپکے، آپ نے انہیں روکا اور پھر اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور بدوی کو کچھ اور بھجوایا، پھر اس سے دریافت فرمایا: کیا میں نے تیرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ آپ کو اہل وعیال میں اچھی جزا دے، نبی کریم ﷺ نے بدوی سے فرمایا: تم نے پہلے جو کچھ کہا تھا میرے صحابہ کے دل میں اس کا غبار ہے، اب جب کہ تم راضی اور خوش ہو یہ بات ان کے سامنے کہہ دو

تاکہ ان کے دلوں میں تمھارے متعلق میل نہ رہے، اس نے کہا: ہاں، دوسری صبح بدوی حاضر ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس بدوی نے جو کہا سو کہا تھا، ہم نے اس کے عطیے میں اضافہ کر دیا تو یہ راضی ہو گیا، کیا ایسا ہی ہے؟ بدوی نے کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ آپ کے اہل و عیال میں بہترین جزا عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور اس بدوی کی مثال ایسے شخص کی ہے جس کی اونٹنی بھاگ نکلی، لوگ اس کے پیچھے گئے وہ اس سے اور زیادہ بھاگی، تب اونٹنی کے مالک نے آواز دی تم میرے اور میری اونٹنی کے درمیان سے ہٹ جاؤ، میں اسے خوب جانتا ہوں اور اس سے نرمی کا سلوک کرنے والا ہوں، اونٹنی کا مالک اس کے سامنے آیا اسے کچھ گھاس پھوس دکھایا، اونٹنی آہستہ آہستہ اس کے قریب آکر بیٹھ گئی، مالک نے اس پر کجاوہ کسا اور سوار ہو گیا، اگر میں بدوی کی پہلی بات پر تمہیں نہ روکتا تو تم اسے قتل کر کے جہنم میں پہنچا دیتے۔ (۵۲)

رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ بردبار تھے اور قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے زیادہ رغبت رکھتے تھے، ایک مرتبہ آپ اپنے صحابہ میں سونے، چاندی کے ہار تقسیم فرما رہے تھے، ایک بدوی نے کہا: اے محمد! بہ خدا اللہ نے آپ کو عدل و انصاف کا حکم دیا ہے اور آپ عدل نہیں کر رہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیری خیر ہو میرے بعد تیرے لیے کون عدل کرے گا؟ جب بدوی واپس چلا گیا تو آپ نے فرمایا: اسے نرمی سے میرے پاس واپس لاؤ۔ (۵۳)

مروی ہے نبی ﷺ خیبر کے مال غنیمت میں سے کچھ تقسیم فرما رہے تھے، ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! عدل کیجیے، آپ نے فرمایا: تیری خیر ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا؟ اگر میں عدل نہ کروں تو خائب و خاسر ہو جاؤں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: کیا میں اس منافق کی گردن نہ اڑا دوں؟ آپ نے فرمایا: اس بات سے اللہ کی پناہ کہ لوگ کہیں میں اپنے صحابہ کو قتل کرتا ہوں۔ (۵۴)

رسول اللہ ﷺ غزوہ میں تھے ایک دشمن مسلمانوں کو غافل پا کر تلوار لیے آپ کے سر پر آکھڑا ہوا اور بولا: آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ، اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی، آپ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اس شخص نے کہا آپ اچھے گرفت کرنے

۵۲۔ البزار۔ أبو بکر أحمد بن عمرو۔ مسند البزار۔ مکتبۃ العلوم والحکم مدینۃ المنورۃ: ج ۱۵، ص ۲۹۶، رقم ۸۷۹۹

۵۳۔ امتاع الاسماع: ج ۲، ص ۲۳۴

۵۴۔ مسلم: ج ۲، ص ۱۲۱، رقم ۱۰۶۳

والے بنیں (مجھے معاف فرمادیں) آپ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے کہا: نہیں البتہ میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا، نہ آپ کا ساتھ دوں گا اور نہ ہی آپ سے جنگ کرنے والے لوگوں کا ساتھ دوں گا، آپ نے اسے جانے دیا، وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس آکر کہنے لگا: میں بہترین انسان کے ہاں سے تمھارے پاس آیا ہوں۔ (۵۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور فرمایا:

تم روضہ خاخ (مدینہ اور مکہ کے درمیان حمراء الاسد کے قریب ایک مقام ہے) جاؤ وہاں تمہیں ایک اونٹنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس خط ہے وہ اس سے لے آؤ، ہم روانہ ہوئے، روضہ خاخ پہنچے، خاتون سے کہا: خط نکالو، وہ بولی میرے پاس کوئی خط نہیں، ہم نے کہا: خط نکالو ورنہ ہم تمھارے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے، اس نے اپنی مینڈھی سے خط نکالا، ہم خط لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے، یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے بعض مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کے کسی ارادے کی خبر دی گئی تھی، نبی ﷺ نے فرمایا: حاطب! یہ کیا حرکت ہے؟ حاطب بولے: یا رسول اللہ! میرے معاملے میں جلدی نہ فرمائیں، میں قوم کا حلیف ہوں (میرا تعلق قریش سے نہیں ہے) آپ کے ساتھ جتنے مہاجرین ہیں مکے میں ان کے رشتہ دار موجود ہیں جو ان کے اہل و عیال کو تحفظ فراہم کرتے ہیں، میں نے سوچا کہ میری قریش مکہ سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے، اس لیے ان پر احسان لگاؤں تاکہ وہ میرے رشتے داروں کی حفاظت کریں، میں نے اسلام کے بعد کفر یا کفر پر راضی ہو کر ایسا نہیں کیا، نہ میں اپنے دین سے پھرا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے تمہیں سچ بتایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: حاطب بدر میں شریک ہوا ہے، تمہیں کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر فرمایا ہے: تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (۵۶)

۵۵۔ مسند احمد: ج ۴، ص ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ رقم ۱۴۵۱۲

۵۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۴۷۷، رقم ۳۰۰۷

رسول اللہ ﷺ نے مال تقسیم فرمایا ایک شخص نے کہا: اس تقسیم سے اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ نہیں کیا گیا، آپ کو یہ بات بتائی گئی آپ کا چہرہ (غصے سے) سرخ ہو گیا، آپ نے فرمایا: اللہ میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکالیف دی گئیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔(۵۷)

آپ فرماتے تھے تم میرے پاس ایک دوسرے کی باتیں نہ پہنچایا کرو، میں چاہتا ہوں میں تمھارے بارے میں صاف دل کے ساتھ (اس دنیا سے) جاؤں۔(۵۸)

حسنِ سیاست

جو شخص اہلِ عرب جیسے وحشی آوارہ لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ کی حُسن تدبیر میں غور کرے گا اس پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ یہ آپ ہی کا کام تھا کہ آپ نے ایسے خود سر، الگ تھلگ رہنے والے لوگوں کو کیسے اتحاد و یک جہتی سے روشناس کیا، ان کے لیے بہترین تدبیریں اختیار فرمائیں، ایک عرصہ تک ان کے ظلم وستم برداشت فرماتے رہے، اذیتوں پر صبر سے کام لیا یہاں تک کہ وہ آپ کے تابع فرمان ہو گئے اور آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کی حمایت میں اپنے اہل و عیال، آباؤ اجداد اور اولادوں سے برسرپیکار ہوئے، آپ کو اپنی جانوں پر ترجیح دی، آپ کی خوش نودی کے حصول کے لیے اپنے وطن اور احباب کو چھوڑا، حال آں کہ اس سے پہلے اس کی کوئی مثال موجود نہ تھی، نہ ہی آپ نے گزشتہ اقوام کی تاریخ کا مطالعہ فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ آپ سب سے بڑھ کر عقل مند تھے، چوں کہ آپ عقل و خرد میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے، آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ اس قدر وسعت والے تھے کہ کوئی ناگوار چیز آپ کی وسعتِ قلب و نظر کو تنگ نہیں کرتی تھی، منافق لوگ پیٹھ پیچھے آپ کی اذیت رسانی کا سامان کرتے اور سامنے چاپلوسی سے کام لیتے مگر آپ کی پیشانی پر کبھی بل نہیں آیا، غزوۂ اُحد کے دن لوگوں نے آپ کا چہرہ زخمی کیا، دندانِ مبارک شہید کیا، آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے خون کی دھاریں بہہ نکلیں، صحابہ کرام کو بہت رنج ہوا، انہوں نے عرض کیا: آپ ان کے خلاف دعا کریں تو آپ نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو داعی اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے: بارِ الٰہا! میری قوم کی مغفرت فرما کہ یہ نہیں جانتے۔

۵۷۔ بخاری: ج ۴، ص ۱۱۰، رقم ۶۱۰۰

۵۸۔ ابوداود: ج ۴، ص ۲۸۶۔۲۸۷، رقم ۴۸۶۰

۔ آپ ﷺ کی عقل وادراک کی قوت کامل تھی، آپ کے فکر ونظر کی صحت شبہ سے بالاتر تھی، آپ کے خیالات کا صدق عیاں تھا، آپ کے فہم وفراست اور حواس رفعتوں کے حامل تھے، علم وحلم، صبر وسکون، حیااور مروت، رحمت ومودّت، مخلوق کی ہدایت کا جذبہ، ہر ایک کے لیے نیکی اور بھلائی کی تمنااور تمام امور کو حکمت کے مطابق انجام دینا آپ کی فطرت میں داخل تھا۔

لوگوں کی بداعمالیاں اور بدکلامیاں نہایت صبر سے برداشت کرتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرح صدر اور وسعتِ قلب کی ایسی دولت عطا فرمائی جس کی مثال نہیں ملتی۔ چناں چہ لوگوں کی بداخلاقی، بد اعمالی، براطرز زندگی، اور قبیح خیالات آپ کے سینۂ انور کی وسعت کے سامنے پر کاہ کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، غیر مؤثر تھے۔

یہ آپ ﷺ کا حُسن سیاست اور ثابت قدمی ہی تھی کہ آپ نے قوم کا رخ ان کے مرغوبات سے پھیر دیا، معروف سے غیر معروف ان کی توجہات کا مرکز بن گئے، ان کی کثیر تعداد بہ خوشی اور قلیل تعداد خوف اور لالچ سے آپ ﷺ کی مطیع وفرماں بردار ہوگئی، نسل درنسل راسخ ہونے والی عادات کا چھڑوانا صرف اس صورت میں ممکن ہے جب کہ داعی کو اللہ کی تائید حاصل ہو، صحیح دوراندیشی معاون ومددگار ہو، پختہ رائے اور سنجیدہ ارادے زادِراہ ہوں۔

چاہنے والے رغبت سے اور سرکش ڈرتے ہوئے آپ کے پاس جمع ہوئے اور دونوں آپ کی مدد ونصرت میں لگ گئے، آپ کے پیغام کا حق ادا کرنے کے لیے وقتی یا آئندہ فائدہ کے لیے یکجا ہوگئے، انہوں نے ہر مشکل کا کامیاب دفاع کیا، سو دین اور صلاح وفلاح کا جذبہ روز افزوں ترقی کرنے لگا، دین کی بنیادیں مضبوط ہوئیں اور دائمی صلاح وفلاح کا پرچم لہرانے لگا۔

آپ اپنے احکام میں عدل کے مضبوط موقف پر قائم رہے، نصاریٰ کی طرح غلو کیا نہ یہود کی طرح کمی کی، اپنے صحابہ کو یہود کی طرح دنیا کی رغبت میں منہمک فرمایا نہ نصاریٰ کی طرح رہبانیت کا شیدائی بنایا بل کہ انہیں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے اپنی دنیا کو اپنی آخرت کے لیے اور اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے لیے نہیں چھوڑا، بل کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں سے اپنا حصہ لے، اور یہ عین حکمت ہے کیوں کہ دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کو دوسرے کے لیے ترک کرنا موجب خلل اور دونوں کو اپنانا اعتدال کی راہ ہے۔

آپ ﷺ کی قوم کے معززین اور کم تر ہر طرح کے لوگوں نے آپ سے جس طرح گھٹیا پن اور تنگ نظری کا مظاہرہ کیا، آپ ﷺ نے ان سے درگزر فرمایا غلبہ پاکر معاف فرمادیا اور قابو پاکر بخش دیا۔

آپ ﷺ کی عقل راجح، ہمت و حوصلہ معیاری اور فہم و فراست صدق آشنا تھے، آپ کبھی کسی فریب میں آئے نہ ہی مشکل حالات میں عجز کا اظہار کیا بل کہ آپ انجامِ کار کی شروع ہی میں پیش بندی فرمالیتے، اس کے عیوب پر نظر رکھتے اور معاملے کی سنگینی سے غافل نہ رہتے۔

آپ ﷺ کبھی غصے سے بے قابو نہیں ہوئے، سختیوں سے گھبرائے نہیں بل کہ غلبہ پاکر ہر دانش مند سے بڑھ کر دانش مندی کا مظاہرہ فرماتے اور مقابلے میں ہر سلیم الصدر سے کہیں زیادہ درگزر فرمانے والے تھے، بدویوں کی جفا کے جواب میں آپ سے کسی قسم کی ان ہونی بات صادر ہوئی نہ جلد بازی نظر آئی، تاریخ کا دامن آپ جیسے رہ نما کے ذکر سے خالی ہے وہاں ہر رہنما کا دامن لغزشوں سے آلودہ نظر آتا ہے۔

آپ ﷺ دھوکے اور فریب کو گناہ کبیرہ سمجھتے، وعدہ خلافی کو نہایت بری عادت جانتے، ہر حال میں اپنے عہد نبھاتے وعدے ایفا کرتے، اگر فریق ثانی خود عہد شکنی کرتا تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے نکلنے کی راہ بنا دیتے، اس سلسلے میں صلح حدیبیہ کی مثال کافی ہے۔

آپ ﷺ کی شخصیت پر وقار تھی، اچانک دیکھنے والا ہیبت زدہ ہوتا اور ملنے جلنے والا محبت کرنے لگتا، کسریٰ کے قاصد آپ کی ہیبت سے تھر تھر کانپنے لگے حال آں کہ انہوں نے کسراؤں کی شان و شوکت دیکھی تھی، طاقت ور بادشاہوں کا جلال ملاحظہ کیا تھا، لیکن ان کے دل آپ کی ہیبت سے لرزاں تھے اور آپ ان کی نگاہوں میں عظیم تر تھے، آپ نے انہیں ہیبت زدہ کرنے کے لیے کسی قسم کی عظمت کا مظاہرہ کیا نہ شان و شوکت سے مرعوب کیا۔ آپ تو تواضع سے موصوف اور سکون و وقار سے موسوم تھے، لوگوں کے قلوب میں آپ کی محبت نے گھر کر لیا، آپ کے کسی ساتھی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ دشمن آپ کے ڈر سے فرار ہوا، نہ ہی آپ سے دور دور رہنے والا آپ سے وحشت زدہ ہوا، سوائے ان کے حسد جن کی گھٹی میں پڑا تھا اور بدبختی جن کی آخری منزل تھی، آپ اپنے اصحاب کی نظر میں ان کی باپوں اور اولاد سے بھی محبوب تر تھے۔

صحابہ کرام آپ کے پیرو کار تھے باایں عظمت آپ ان سے تواضع کا سلوک فرماتے، سردار ہوکر ان سے نرم دلی اور شفقت و محبت کا معاملہ کرتے، بازاروں میں تشریف لے جاتے، اپنے اصحاب اور ہم

نشینوں سے مل جل کر رہتے، متواضع ہوتے ہوئے بھی آپ کی شخصیت نمایاں رہتی اور شفقت و نرم دلی آپ کی عزت و وقار میں اضافہ کرتی۔

ایک مرتبہ بدوی آپ کے ہاں آیا اور آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پرسکون رہو، میں ایسی خاتون کا بیٹا ہوں جو مکے میں خشک گوشت کھاتی تھی۔(۵۹)

صحابہ کرام کے دلوں میں آپ کا بہت اکرام و احترام تھا، آپ بولتے تو سب خاموش ہو جاتے اور توجہ سے آپ کے ارشادات سنتے، اگر آپ کسی کام کا فرماتے تو فوراً امتثال امر کے لیے لپکتے۔ آپ ہر قوم کے معزز فرد کی عزت کرتے اور اسے اپنی قوم کے امور کا والی بناتے، معذرت خواہ کی معذرت قبول فرما لیتے۔

حضرت کعب کے بھائی بُجیر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے تو کعب اپنے بھائی پر سخت ناراض ہوئے اور انہیں ملامت بھرے اشعار پر مشتمل خط لکھا، بُجیر رضی اللہ عنہ نے خط رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کیا، تو آپ نے فرمایا: کعب جس کو ملے اسے قتل کر دو، بجیر رضی اللہ عنہ نے کعب کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارا خون رائیگاں قرار دیا ہے، اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو حضور ﷺ کی خدمت میں آجاؤ کیوں کہ جو شخص تائب ہو کر آجائے آپ اس کی معذرت قبول فرما لیتے ہیں اور اس کے قبل از اسلام اعمال کا محاسبہ نہیں فرماتے، کعب رضی اللہ عنہ کو خط ملا تو وہ پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے قبیلہ کی طرف بھاگا، قبیلے والوں نے کعب کو پناہ دینے سے انکار کر دیا، کعب کو جان کا خوف پیدا ہوا دشمنوں نے اُسے ڈرایا، کعب رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کعب کو مسجد میں لائے اور کہا: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں آپ کے پاس جاؤ اور امان طلب کرو، کعب رضی اللہ عنہ اٹھے آپ کے سامنے جا بیٹھے اور اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر رکھ کر عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! کعب بن زہیر آپ کی خدمت میں مسلمان اور تائب ہو کر آیا ہے آپ سے امن کا خواست گار ہے، اگر میں اسے آپ کی خدمت میں حاضر کروں تو آپ اس کی توبہ اور اسلام قبول کر لیں گے، آپ نے فرمایا: ہاں، کعب بولے یا رسول اللہ! میں کعب بن زہیر ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس اس طرح کہتے تھے؟ ایک انصاری اچھل کر زہیر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا اور کہا: یا رسول اللہ! مجھے اس دشمنِ خدا کی گردن اڑانے کی اجازت مرحمت فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو یہ ہمارے پاس سفر کرتے

۵۹۔ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۴۱۸، رقم ۳۳۱۲

ہوئے نادم ہو کر آیا ہے، پھر کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد شروع کیا جس میں حضور ﷺ کی مدح سرائی کی اپنے خوف وہراس کا تذکرہ کیا یہاں تک کہ یہ شعر کہا:

ان الرسول لنور یستضاء به
و صارم من سیوف الله مسلول

رسول اللہ ﷺ نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک بے نیام تلوار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بابرکت چادر کعب بن زہیر کی طرف پھینکی اور اسے معاف فرمادیا۔
حق کے معاملے میں طاقت ور اور کم زور آپ کے نزدیک برابر تھے۔ [۶۰]

آپ نے نرمی کا حکم دیا اور اس کی تاکید کی، سختی، شدت اور نفرت سے منع فرمایا، آپ بد خلق تھے نہ بدزبان، آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، عفو ودرگزر سے کام لیتے تھے۔

آپ ﷺ ناگواری کی حالت میں کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے کہ آپ کا سینہ فراخ تھا اور آپ سراپا حیا تھے۔ لطف وکرم اور انس و محبت فرماتے ہوئے کم زور مسلمانوں سے ملاقات کو تشریف لے جاتے، ان کے مریضوں کی عیادت فرماتے، ہر امیر، غریب کے جنازہ میں شرکت فرماتے، آپ کا اسوہ بہترین اسوہ تھا۔ درماندہ اور کم زور کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے، کم زوروں کی مدد کرنے اور ان سے نیک سلوک کرنے پر برانگیختہ فرماتے، اس میں ہر سالارِ لشکر کے لیے یہ ادب ہے کہ وہ دورانِ سفر اپنی رفتار مناسب رکھے تاکہ کم زور بھی ہم راہی ہو سکیں، ان کی ہر ممکن مدد کرے، کم زوروں اور ناداروں کو سواری فراہم کرے اور اپنے مال، حال اور قیل و قال سے ان کی ضرورتیں پوری کرے۔

بلاشبہ آپ ﷺ کی سیاست باعظمت، آپ کا طرز عمل بابرکت، آپ کی نظر ثاقب، آپ کی رائے صائب، آپ کا گمان صادق اور آپ کی گفت گو صورت حال کے موافق تھی۔ فضائل کا حصول آپ کا مطمح نظر اور اخلاق محمودہ آپ کی فطرت، آپ کا دین ایمان، اور آپ کا خلق قرآن تھا، اللہ کی ناراضی سے ناراض اور اس کی رضا سے راضی ہوتے، آپ کی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کا اتمام اور تکمیل تھا، شرائع کو زوائد سے پاک کرنے والے، امانتوں کے محافظ، مصالح کے لیے سخت کوش، میل موافقت کو مضبوط کرنے والے، مشکلات پر نظر رکھنے والے اور مشکلات کی گرہ کشائی فرمانے والے تھے۔

۶۰۔ مستدرک حاکم: ج ۳، ص ۶۷۰، رقم ۶۴۷۷

آپ ﷺ نہایت کرم و فضل والے تھے، تعلقات منقطع کرنے والے سے تعلق جوڑتے، منع کرنے والے کو عطا فرماتے، محروم کرنے والے پر خرچ فرماتے، زیادتی کرنے والے سے عفو و درگزر فرماتے، ناپسندیدہ باتوں سے چشم پوشی فرماتے، کسی کو دکھ نہ دیتے، قدرت کے باوجود انتقام نہ لیتے، تکلیف دہ باتوں پر صبر فرماتے، جاہلوں کی زیادتیاں اور حد سے تجاوز آپ کے صبر و حلم میں مزید اضافہ کرتا، جب بھی آپ کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا، آپ نے ہمیشہ آسان کو پسند فرمایا، جب تک کہ وہ گناہ سے آلودہ نہ ہو، بارہا آپ نے جہلا اور دشمنوں سے صرف نظر فرمایا، جہاد کے علاوہ کبھی کسی چیز کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا، جاہلانہ توہمات و تصورات، سختیوں اور مصائب کا آپ نے صبر و ثبات سے مقابلہ کیا، تاآں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جاہلوں پر غلبہ اور حکم رانی عطا فرمائی اور آپ فتح و نصرت سے شاد کام ہوئے۔

آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ باحیا تھے، اور ناپسندیدہ چیزوں سے سب سے بڑھ کر چشم پوشی فرمانے والے تھے، آپ تلخ گو، بد خلق، شور مچانے والے، طعن و تشنیع کرنے والے، حد سے زیادہ مدح سرائی اور عیب جوئی کرنے والے نہ تھے۔

ہمیشہ مدد پر تیار رہتے اور اس میں تاخیر نہ فرماتے، جو شخص گھر میں آتا اپنا تکیہ اسے پیش فرماتے، کسی حاجت مند کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، اس کی حاجت روائی فرماتے یا پھر تسلی و تشفی دیتے۔

اپنے خادم کے ساتھ کھانا تناول فرما لیتے، آنے والوں کی خدمت پر کمربستہ ہوتے، اپنے لباس کو پیوند لگا لیتے، جوتے کی مرمت کر لیتے، گھر کو صاف کر لیتے، گھر والوں کے لیے بازار سے ضرورت کی چیزیں لے کر آتے۔ تمام حقوق کی پاسداری فرماتے، بادشاہ نبی کی جگہ عبد نبی بننا پسند فرمایا، حال آں کہ آپ بلاشبہ سید البشر اور عالم الغیب والشہادۃ کی مخلوق میں سب سے معزز و مکرم ہیں۔

تمام انسانوں سے بڑھ کر امانت دار، عفت و پاکدامنی میں اپنی مثال آپ، خندہ روئی اور شگفتگی میں بے نظیر، قول کے نہایت سچے، ظاہر و باطن میں جمیل ترین، عدل و احسان میں بے مثال، گفت گو میں صادق، احکام میں حق کا بول بالا فرمانے والے تھے، ہمیشہ وعدہ ایفاء فرماتے، کسی کے تہمت لگانے پر دوسرے کی گرفت نہ فرماتے، انصاف سے فیصلہ فرماتے اور نپی تلی گفت گو فرماتے۔

اسلام سے قبل دورِ جاہلیت آپ کی فضیلت کا قائل تھا، لوگ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ آپ سے کرواتے، آپ کے دوست اور دشمن سب آپ کے علم اور عدل کے گواہ تھے، حقیقی فضیلت وہی ہے کہ

دشمن بھی جس کی گواہی دیں، قدیم صحبت اور تعلق کا حق ادا کرتے، اپنے عزیز و اقارب سے صلہ رحمی فرماتے، ان سے لطف و کرم کا معاملہ کرتے، ایثار و قربانی سے ان کے دل موہ لیتے تھے۔

اپنے صحابہ میں سے جس کو تین روز نہ پاتے اس کے بارے میں دریافت فرماتے اگر وہ کہیں سفر پر گیا ہوتا اس کے لیے دعا فرماتے، اگر موجود ہوتا اس سے ملاقات کو تشریف لے جاتے، اور اگر بیمار ہوتا اس کی عیادت فرماتے تھے، کیوں کہ رعایا کی خبر گیری، ان کی اصلاح اور ان کی مشکلات کو حل کرنا حکم ران کی ذمہ داری ہے۔

جب کوئی وفد آتا آپ عمدہ لباس زیب تن فرماتے اور اپنے معزز صحابہ کو بھی یہ ہی حکم دیتے، کیوں کہ اس سے دشمن کی نظر میں عظمت و وقار بڑھتا ہے، اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے اور اس کے دین کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے دشمنوں تک کے لیے مہربان تھے، چناں چہ فتح مکہ کے دن جب آپ مسجد حرام میں قریش کے پاس آئے، وہ آپ کے حکم کے منتظر تھے کہ آپ ان کے بارے میں قتل یا رہائی وغیرہ کیا فیصلہ فرماتے ہیں، آپ نے قریش سے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ وہ بہ یک آواز بولے: آپ کریم ابن کریم ہیں، ہمیں آپ سے اچھے سلوک کی توقع ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے کہا تھا "آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

یہ ان ہونی بات نہیں آپ محاسن اور جود و عطا میں یکتا تھے، محبت و مودت اور نرم دلی میں منفرد تھے، اہل ایمان پر نہایت رحیم تھے، آپ نے کبھی کسی پر سختی نہیں فرمائی، یہاں تک کہ یہ امر الٰہی نازل ہوا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (۶۱)

اے نبی! کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کریں اور ان ساتھ سختی سے پیش آئیں۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے قبل از نبوت آپ کی امانت داری معروف و مشہور تھی، قبل از بعثت لوگ اپنے جھگڑے آپ کے پاس لاتے، آپ سے فیصلہ کراتے اور آپ کے عدل اور فیصلے پر راضی ہوتے تھے۔

۶۱۔ التوبہ: ۷۳

مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے آپ سے کہا: ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے لیکن ہم آپ کے لائے ہوئے پیغام (قرآن مجید) کی تکذیب کرتے ہیں، اسی لیے قرآن کریم میں ہے:

فَاِنَّہُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ O (۶۲)

یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بل کہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔

روم کے شہنشاہ ہرقل نے جناب ابوسفیان سے پوچھا: کیا تم ان کے اعلانِ نبوت سے پہلے انہیں جھوٹا سمجھتے تھے؟ کہا: نہیں، ہرقل نے کہا: ایسا ممکن نہیں کہ جو شخص لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہ بولے وہ اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہو۔ (۶۳)

نضر بن الحارث نے قریش کی غلطی واضح کرتے ہوئے انہیں بہ طور دلیل کہا: محمد (ﷺ) تمھارے درمیان نوعمر لڑکے تھے، وہ قول کے سچے، امانت دار اور سب سے زیادہ عمدہ طور اطوار والے تھے، اب جب کہ تم نے ان کی کنپٹیوں میں سفیدی دیکھ لی اور وہ تمہارے پاس ایک پیغام لے کر آئے تم کہتے ہو وہ جادوگر ہے، بہ خدا وہ جادوگر نہیں ہے۔ (۶۴)

یہ تعجب خیز چیز نہیں ہے کہ آپ کے دشمنوں کی نظر میں آپ کا ماضی، حال، فطرت اور عادات و اطوار ایسے تھے جن سے ان کے اعتراضات کی نفی ہوتی تھی اور ان کا مکر و فریب ان کے گلے کا ہار بنتا تھا، یہ حقیقت شبہ سے بالاتر ہے کہ اہل عرب اگر آپ کے اعلان نبوت سے پہلے یا بعد میں آپ کی حیات طیبہ کے کسی مرحلے میں آپ سے کذب کا صدور پاتے تو وہ یقینی طور پر آپ کے اس پیغام کی تکذیب میں اسے بہ طور دلیل پیش کرتے۔

نوعمری میں سچائی جس کی فطرت کا جزو لاینفک ہو، بڑی عمر میں اس کی سچائی دلیل کی محتاج نہیں، جو اپنی ذات میں معصوم ہو اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کی معصومیت کے کیا کہنے، رسول اللہ ﷺ بچپن اور جوانی میں صدق و امانت میں مشہور رہے یہاں تک کہ آپ صادق و امین کے نام سے موسوم ہو گئے۔

۶۲۔ الانعام: ۳۳

۶۳۔ بخاری: ج ۱، ص ۷۔ ۸، رقم ۷ ملخصاً

۶۴۔ بیہقی۔ دلائل النبوۃ: ج ۲، ص ۲۰۱

ہدایت و رہ نمائی میں آپ ﷺ کا مثالی طریقہ

رسول اللہ ﷺ نے مسلسل جدوجہد سے فاسد عقائد اور گھٹیا اور ذلیل حرکتوں کو نیست و نابود کر دیا، آپ نے اپنی قوم اور دیگر قبائل سے جھوٹے وعدے نہیں فرمائے، اپنی الوہیت کا دعویٰ کیا نہ خدم و حشم اور شاہی محافظوں کی فوج سے اپنی قوت اور شوکت کا مظاہرہ کیا، تاکہ لوگوں کے دلوں میں آپ کا رعب نمایاں ہو اور وہ مرعوب اور خوف زدہ ہوں، بل کہ آپ نے قوم پر واضح کر دیا اور برملا اعلان فرمایا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان کے پاس بشیر و نذیر بن کر آئے ہیں۔

آپ بہ کثرت معجزات کے ساتھ آئے لیکن کبھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ آپ اپنی خواہش کے مطابق معجزہ لانے پر قادر ہیں، بل کہ قرآن کی زبان میں یہ اعلان فرمایا:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۶۵)

میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (۶۶)

ان سے کہیں کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا کوئی طریقہ نہیں اپنایا، دھوکے اور فریب کے ذرائع سے کام نہیں لیا، فلاں، فلاں کی تصدیق حاصل کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی، بل کہ آپ انسانیت پر رحم فرمانے اور اللہ کی زمین میں اللہ کی حکم رانی قائم کرنے اور بنی نوع انسان کو وحدت کی لڑی میں پرونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیغامات لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ آپ نے لوگوں کو اخوت کا درس دے کر انہیں ایک امت بنا دیا۔

آپ نے کام یابی حاصل کر لی اور گزشتہ انبیائے کرام کی طرح کوئی ایسا ذریعہ نہیں اپنایا جو انسان کے

۶۵۔ الکھف: ۱۱۰

۶۶۔ الاعراف: ۱۸۸

بس سے ماوراء ہو، گزشتہ امتوں نے جب انبیاء کرام کے لیے دعوت کا کام دشوار کر دیا تو ان کو مطیع بنانے اور مقاصد کے حصول کے لیے معجزات دکھائے گئے، اگر آپ ہر مشکل اور دشوار معاملے میں معجزات کا سہارا لیتے تو بعد میں آنے والوں کے لیے معجزات کا سلسلہ اختتام پذیر ہونے کے باعث اس مثال کی پیروی مشکل ہوتی، چناں چہ آپ نے عمدہ ترین وسائل اور بلند پایہ، واضح ترین ذرائع کا انتخاب فرمایا۔ آپ کی حیات شریفہ میں بعد میں آنے والے ہر اس شخص کے لیے مثالی درس اور بدرجۂ اتم ضرورت پوری کرنے والی نصیحت ہے جو قوم کی اعلیٰ مقاصد تک رسائی کا خواہش مند ہو۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے معجزے کے ذریعے نجات حاصل کی اسی لیے ان میں مردانگی اور مروت کی روح کی تخم ریزی نہ ہو پائی، جب کہ سیدنا محمد ﷺ نے ایسے حربی اور سیاسی طریقوں سے کام یابی حاصل کی جو آج بھی جنگ جو بہادروں اور سیاسی قائدین کے لیے باعث افتخار ہیں، اس طرح آپ نے صحابہ کرام کی ایسی جماعت تیار کی جو بہترین عقیدہ کے حامل تھے، جن کے دلوں میں آپ کی محبت موج زن تھی جو فکر کی بلندی اور اخلاق کی قوت سے ممتاز افراد تھے، سو زمانے کے انقلابات اور زندگی کے نشیب و فراز انہیں گھبراہٹ میں مبتلا نہ کر سکے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی اوصاف کی خوبیاں ساز گار وقت میں ظاہر ہوتی ہیں، مشکل حالات انسان کی صلاحیتوں کو نکھارتے اور اس کے اخلاق کو متحرک کرتے ہیں، اسی طرح کام یابی کسی بھی انسان میں موجود شرافت اور ہمت کو نمایاں کرتی ہے۔

مصلحین میں سے بعض نے فقر اور سختیاں جھیل کر کمال حاصل کیا اور بعض نے مال داری اور فراخ دستی سے منزل تک رسائی حاصل کی، بہت کم ایسے تھے جو دونوں حالتوں سے گزرے، لیکن سیدنا محمد ﷺ چوں کہ ارادۂ خداوندی کے مطابق انسانیت کے لیے کامل نمونہ بننے والے تھے، دونوں حالتوں سے گزرے، فراخ دستی اور فارغ البالی نے آپ کی ذات میں کرم اور عفو و درگزر کا اضافہ کیا، اور سختیوں نے آپ کے صبر، یقین اور قوت برداشت کو رفعت آشنا کیا۔

رسول اللہ ﷺ سے اگر کوئی معجزے کا مطالبہ کرتا آپ ارشاد فرماتے: یہ کائنات معجزہ ہی تو ہے، زمین کو دیکھو یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت کی نادر مثال ہے، اللہ تعالیٰ کے وجود اور عظمت کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین تخلیق فرمائی، اس میں تمہارے لیے راستے بنائے، تم بآسانی اس پر چلتے پھرتے ہو، اس کا رزق کھاتے ہو، فضا میں رواں دواں بادل دیکھو، پانی سے لب ریز بادل برستے ہیں تو غیر

آباد بنجر زمین میں جان آ جاتی ہے، زمین سے کھیتی، کھجوریں اور انگور ہر قسم کا غلہ، پھل اور سبزیاں پیدا ہوتے ہیں، پھر مویشیوں پر نگاہ ڈالو یہ تمھارے لیے پیدا کیے گئے، گھاس کھا کر ان کے پیٹ سے پینے والوں کے لیے خوش گوار، خوش ذائقہ دودھ حاصل ہوتا ہے، ذرا اپنے آپ میں دھیان سے دیکھو تمھاری شخصیت معجزہ ہے تم بہت چھوٹے تھے اور اس سے پہلے تمھارا کہیں مذکور نہ تھا تم کچھ نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل اور قوت عطا فرمائی اور تمھارے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیے، اگر اللہ تعالیٰ رحمت کو پیدا نہ فرماتا تو خود سوچو دنیا کی کیا حالت ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ اپنے معاندین کی نظر کائنات اور اس میں موجود ان اشیا کی طرف مبذول کراتے جو ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت و قبضے کی روشن دلیل ہیں، ہر مقام اللہ کی نشانیوں میں سے کسی نشانی سے خالی نہیں، عصر حاضر کے سائنس دان اسے مادہ اور قوت کا نام دیتے ہیں، ان کے نزدیک کائنات میں کوئی شئے مقدس نہیں، بل کہ کائنات قابل خرید و فروخت ہے، بحری اور ہوائی جہازوں کو رواں رکھنے میں وہ اس سے مدد لیتے ہیں، کیمیا اور ریاضی میں مشغولیت کے باعث وہ کائنات میں مستور اللہ تعالیٰ کے اسرار سے غافل ہو گئے۔

حیرت ہے وہ اس حقیقت سے غافل ہیں اگر کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مخفی حکمتیں جلوہ گر نہ ہوتی تو کسی علم کا نشان نہ ہوتا، حق تو یہ ہے کہ انسان کو علم کا سرا اس وقت تک ہاتھ نہیں آتا، جب تک وہ پیدا فرمانے والے باحکمت کی معرفت نہ حاصل کر لے۔ علم تو معرفت الٰہی پر مبنی ہے جسے اللہ کی معرفت میسر آ گئی اس کا سینہ علوم کا گنجینہ بن گیا، اس کا نفس نہایت نفیس قوت کا مرکز ہو گیا، معرفتِ الٰہی کے بغیر علم جھوٹی بلبلاہٹ ہے، یا ایک مغربی عارف کے بہ قول بوسیدہ خشک لکڑی کا ٹکڑا یا مرجھایا ہوا سبزہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت بے عیب تھی، اس کی بنیاد دلائل، اطمینان بخش باتوں اور عمدہ نصیحت پر استوار تھی، داعی علیہ السلام اور آپ کی دعوت کے صدق پر راضی ہونے والوں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا:

اَفَاَنۡتَ تُکۡرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ O (۶۷)

پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں؟

لیکن مکہ میں موجود آپ کے دشمن اور مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں رہائش پذیر یہود اور دیگر عرب قبائل اس بات سے مطمئن نہ ہوئے کہ وہ آپ کی رسالت اور پیغام ربانی کے منکر ہونے پر اکتفا کر

۶۷۔ یونس:۹۹

لیں، بل کہ انہوں نے آپ کو خاموش کرنے کا تہیہ کر لیا، سو آپ کی ذات پر اور آپ کے صحابہ پر ان کی زیادتیاں روز بروز بڑھنے لگیں تب حکمت والے رب نے اہل ایمان کو اپنے دفاع میں جنگ کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی تاکہ اللہ کے دین میں داخل ہونے والوں پر عرصۂ حیات تنگ نہ ہو، وہ اسلام قبول کر کے آزمائشوں اور تکالیف میں مبتلا نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّہُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَقَدِیْرُ ۝ (۶۸)

اجازت دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (۶۹)

اور تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو۔

وَقَاتِلُوْہُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ (۷۰)

تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے اس قوم سے اپنا دفاع کیا جو زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ جنگ کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں، انہوں نے حق بات اور سچی شریعت سے اپنے کان بند کر لیے پھر جنگ کے نتائج بھگتنے لگے، رسول اللہ ﷺ انہیں نرمی اور شفقت سے برابر سمجھاتے رہے، لیکن ان کی خود سری اور سرکشی بڑھتی گئی، وہ گم راہی کی دلدل میں دھنستے چلے گئے، لوٹ مار اور چھینا جھپٹی پر اتر آئے، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ جانوں کو ناحق قتل کرنے لگے، ان کا علاج اور ان کے لیے قول فیصل تیز دھار تلواریں، سروں کی فصلوں کی کٹائی اور سبک رفتار گھوڑے ہی تھے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، ہرگز نہیں، اسلام تو حکمت اور عمدہ نصائح سے دل نشین ہوا، لیکن جب دشمنوں کی عداوتیں ختم ہونے میں نہ آئیں اور اسلام کے پیغام کی ناقدری ہونے لگی تو پھر اس پیغام کے دفاع کے لیے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی حمایت و نصرت کے لیے تلوار اٹھانا ناگزیر ضرورت بن گئی۔ حق کی نشر و اشاعت اور حفاظت کے لیے غلبہ اور قوت

۶۸۔ الحج:۳۹

۶۹۔ البقرہ:۱۹۰

۷۰۔ البقرہ:۱۹۳

ضروری ہے خواہ یہ زبان سے ہو تلوار سے ہو یا قلم سے، اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں یہ ہی دستور جاری ہے کہ حق و باطل کی جنگ ہمیشہ حق کی فتح پر منتج ہوتی ہے، حق اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ہمیشہ پھلتا پھولتا اور نشوو نما پاتا ہے۔ جیسے گندم کا بیج، جب اسے زرخیز زمین میں بویا جاتا ہے اس کے ساتھ بھوسہ اور کوڑا کرکٹ بھی ہوتا ہے لیکن زمین خالص گندم باہر لاتی ہے اور کوڑا کرکٹ زمین کی تہہ میں گل سڑ کر نفع بخش عناصر میں تبدیل ہو جاتا ہے، اللہ کا یہ ہی دستور کائنات میں جاری ہے، یہ سچا اور کھرا دستور ہے، یہ عدل، رحمت اور شفقت پر مبنی دستور ہے، یہ ہر اس امر کو تحفظ فراہم کرتا اور اس کی کفالت کرتا ہے جس کی بنیاد اعلیٰ اخلاق پر ہو، اور جسے حق کی روح سے غذا مل رہی ہو، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر تشریف لائے وہ ایسی حقیقت کبریٰ ہے جو ہر دور میں صدیوں اور قرنوں سے برابر منتقل ہو رہی ہے اور اس کے جوہر میں کسی قسم کی تبدیلی دخل انداز نہیں ہوئی:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (۷۱)

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

اسلام حق کا جوہر اور سچائی کی روح ہے، افترا پردازوں اور جہلاء نے دین اسلام کی طرف جو خرافات اور بہتان منسوب کیے ہیں وہ ان سے منزہ ہے، یہ اتہامات اسلام کی ضرر رسانی سے قاصر ہیں، اس کا نور حجاب آشنا نہیں ہو سکتا، اس لیے اسلام کے دلوں میں بسرعت اثر انداز ہونے، روحوں میں سما جانے، لوگوں میں خون کی طرح گردش کرنے، جھوٹے مذاہب کو نیست و نابود کرنے اور باطل نظریات و عقائد کا قلع قمع کرنے میں برق رفتاری تعجب خیز نہیں۔ جھوٹے مذاہب اور باطل نظریات و تصورات خشک ایندھن تھے جسے اسلام کی آگ نے جلا کر راکھ کر دیا اور یہ آگ برابر شعلہ زن ہے۔

قرآن کریم ہمیشہ تشریع اور عمل کی بنیاد، حیات انسانی کے تمام شعبوں اور مسائل کے حل کے لیے قابل اتباع قانون رہا ہے اور رہے گا، لوگوں کے لیے ہدایت اور روشن چراغ ہے، اسی سے دنیا میں حیات کی راہیں روشن ہوتی ہیں اور صراط مستقیم کی رہ نمائی ملتی ہے، حکمت الٰہی نے چاہا کہ قرآن کریم کی حیثیت قواعد کلیہ کی ہو جن قواعد کی روشنی میں ہر دور اور ہر مقام کے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے۔

اس باعزت کتاب کی آواز لاکھوں انسانوں کے کانوں میں بار بار رس گھولتی رہی اور چودہ صدیوں سے اس کی اثر انگیزی مسلسل جاری ہے، یہ حق کی آواز ہے، اس کی تلاوت دلوں میں نفوذ کرتی ہے، از

۷۱۔ آل عمران: ۱۹

اول تا آخر یہ کتاب ہر قسم کے عیب سے خالی اور اخلاص کا شاہ کار ہے، یہ ہی وہ کتاب ہے کہ دشمن اہل عرب اس کی بلاغت کے آگے سرنگوں ہو گئے، اور اس کے معجز ہونے کا برملا اظہار کیا۔

بنو عبد شمس بن عبد مناف کے عتبہ بن ربیعہ عبشمی کا واقعہ ذہن میں تازہ کیجیے، یہ اپنی قوم کا سردار اور رہنما تھا، اس نے کہا: قریش کے لوگو! کیا میں محمد (ﷺ) سے بات کروں انہیں کچھ چیزوں کی پیش کش کروں، شاید کہ وہ کوئی بات مان لیں، تو ہم ان کی فرمائش پوری کر دیں، اس طرح وہ ہمارے معاملے میں خاموش ہو جائیں، لوگوں نے کہا: بات چیت کر کے دیکھ لو، عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، اس نے کہا: بھتیجے! تم حسب و نسب میں ہمارے بہترین لوگوں میں سے ہو، آپ نے اپنی قوم کو بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے، ان کی جمعیت منتشر ہو گئی ہے، آپ نے قوم کے معززین کو بے وقوف بتایا ہے، ان کے معبودوں اور دین کے عیب بیان کیے ہیں، ان کے گزشتہ آباؤ و اجداد کو کافر قرار دیا ہے، میری سنیں، میں چند باتیں پیش کرتا ہوں آپ غور کریں شاید ان میں سے کوئی بات آپ قبول کر لیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوالولید! بتائیں، عتبہ نے کہا اگر آپ اس پیغام سے مال چاہتے ہیں تو ہم اپنے مال جمع کر کے آپ کو سب سے زیادہ مال دار کر دیتے ہیں۔ اگر آپ کا مطلوب شرف و عزت ہے ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں، آپ کی رضا کے بغیر کوئی کام نہیں ہو گا، اگر آپ بادشاہی چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں، اور اگر کوئی جن آپ کے پاس آتا ہے جس سے آپ اپنی جان نہیں چھڑا سکتے تو ہم آپ کا علاج کروا لیتے ہیں اور آپ کی شفایابی تک اپنے اموال خرچ کرتے رہیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوالولید! تم اپنی بات کر چکے ہو؟ کہا ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب مجھ سے سنو، اور آپ نے سورۂ فصلت کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی:

حمٓ O تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ O كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ O بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ O وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ O قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ O الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ O إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ O قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ O وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا

وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ O ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ O فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ O فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ O إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ O فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ O فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ O (۷۲)

حٰم، یہ خدائے رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے، ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن، اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں، بشارت دینے والا اور ڈرا دینے والا۔ مگر ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے روگردانی کی اور وہ سن کر نہیں دیتے۔ کہتے ہیں "جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے، تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کیے جائیں گے"۔ ان سے کہیں میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا، مجھے وحی کے ذریعے سے بتایا جاتا ہے کہ تمھارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے، لہٰذا تم سیدھے اُسی کا رخ اختیار کرو اور اس سے معافی چاہو، تباہی ہے اُن مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے مان لیا او رنیک اعمال کیے اُن کے لیے یقیناً ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ ان سے کہیں کیا تم اُس خدا سے کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کی ہم سر ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنا دیا؟ وہی تو سارے جہان والوں کا رب ہے۔ اس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر سے اُس پر پہاڑ جما دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لیے ہر ایک کی طلب و حاجت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک

۷۲۔ حٰم سجدہ: ۱۔۱۶

کا سامان مہیا کر دیا، یہ سب کام چار دن میں ہو گئے، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا " وجود میں آجاؤ، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ دونوں نے کہا ہم آگئے فرماں برداروں کی طرح" تب اس نے دو دن کے اندر آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا، اور آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا، یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔ اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تم کو اسی طرح کے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا۔ جب خدا کے رسول اُن کے پاس آگے اور پیچھے، ہر طرف سے آئے اور انہیں سمجھایا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انہوں نے کہا "ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیجتا، لہٰذا ہم اس بات کو نہیں مانتے جس کے لیے تم بھیجے گئے ہو"۔

اس وقت عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر آپ کو صلہ رحمی کی قسم دے کر مزید تلاوت سے روکا، عتبہ نے واپس آکر کہا: بہ خدا میں نے آپ سے ایسی بات سنی ہے جیسی بات میں نے کبھی نہیں سنی، اللہ کی قسم! وہ شعر ہے نہ کہانت ہے نہ ہی جادو ہے، قریش کے لوگو! میری مانو یہ معاملہ میرے سپرد کر دو، تم محمد (ﷺ) کو اس کے حال پر چھوڑ دو، بہ خدا ان کا کلام اپنا اثر دکھا کر رہے گا، اگر اہل عرب ان کے مقابل آگئے تو وہ تمھارے بغیر تمھاری مراد پوری کر دیں گے، اور اگر محمد (ﷺ) عربوں پر غالب آگئے تو اس کی عزت تمھاری عزت ہے، لوگوں نے یہ سن کر کہا: تم پر محمد (ﷺ) کا جادو چل گیا ہے، عتبہ بولا: یہ میری رائے تھی (اب تم جانو اور تمھارا کام جانے)۔ [۷۳]

پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیش کش کی کہ آپ ان کے معبودوں کی عبادت میں شریک ہوں وہ اللہ کی عبادت میں آپ کے ساتھ شریک ہوں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمائی:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ ۝ [۷۴]

کہہ دیجیے کہ اے کافرو، میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو، نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں، اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اس کی عبادت کرنے

۷۳۔ ابن اسحاق۔ کتاب السیر والمغازی: ج۱، ص ۲۰۸

۷۴۔ الکافرون: ۱ تا ۶

والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں، تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔

قریش کو جب اس پیش کش کا جواب نفی میں ملا تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ قرآن مجید سے وہ آیات نکال دیں جو بتوں کی مذمت پر مشتمل ہیں اور جن آیات میں بتوں کے ان پجاریوں کو شدید وعید کی نوید سنائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ [۷۵]

ان سے کہیں میرا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔

جب ان کی یہ مراد بھی نہ بر آئی انہوں نے معجزات کا مطالبہ کر کے آپ کو عاجز کرنا چاہا اور انشقاق قمر کے معجزہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حیران کن معجزہ عطا فرمادیا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ [۷۶]

قیامت کی گھڑی آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

یہ معجزہ دیکھ کر بھی اُن کی سرکشی اور عناد میں کمی نہ آئی انہوں نے ایک اور مطالبہ داغ دیا اور کہا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ [۷۷]

ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کردے۔

آپ نے ان کے جواب میں فرمایا:

سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ [۷۸]

پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟

۷۵۔ یونس:۱۵

۷۶۔ القمر:۱

۷۷۔ بنی اسرائیل:۹۰، ۹۱

۷۸۔ بنی اسرائیل:۹۳

اللہ تعالیٰ کو ان کے قلوب و اذہان میں جاگزیں تعصب اور عناد کا علم تھا کہ یہ لوگ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے:

وَ مَا یُشْعِرُ کُمْ لا اَنَّھَا اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ O [۷۹]

اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں۔

ایسے لوگوں سے خیر کی توقع کیسے ہو سکتی تھی جن کا کہنا تھا:

اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ہٰذَا ہُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَاءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ O [۸۰]

اے اللہ! اگر یہ واقعی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آ۔

انہوں نے عذاب مانگا ہدایت طلب نہیں کی۔

جب مشرکوں نے دلائل سے اسلام کا مقابلہ کرنے میں اپنی کم زوری دیکھی تو پوری سیاسی قوت سے مقابلے کی ٹھانی جیسے ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے دلیل کا جواب دلیل سے دینے میں بے بس ہو کر کہا تھا:

حَرِّقُوْہُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِھَتَکُمْ [۸۱]

جلا ڈالو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ مشورہ دیا گیا کہ آپ مشرکین مکہ کے آلہ کار بعض منافقوں کو قتل کرا دیں تو آپ نے فرمایا: نہیں، لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملنا چاہئے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں، سیدنا محمد علیہ الصلاۃ والسلام کا اخلاص بے نظیر تھا، ویسا اخلاص نہیں جس کا مظاہرہ راہنمایانِ قوم کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے اخلاص کی تشہیر کرتے ہیں اور اتراتے ہیں، چوں کہ ایسا اخلاص بڑبولے پن اور خود فریبی کے حقیر جذبات سے ملوث ہوتا ہے، سیدنا محمد ﷺ کے اخلاص میں ایسا کوئی ارادہ شامل نہ تھا، آپ کا اخلاص آپ کی پاکیزہ فطرت کا مظہر تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی فطرت ہی میں یہ چیز ودیعت فرما دی تھی۔

۷۹۔ الانعام: ۱۰۹

۸۰۔ الانفال: ۳۲

۸۱۔ الانبیاء: ۶۸

اپنی فطرت پر حضور ﷺ کی ثابت قدمی اور استقامت

جب کسی انسان کا مصائب و آلام، سختی اور شدت سے واسطہ پڑتا ہے تو اس کے اخلاق کے اصلی جوہر نمایاں ہوتے ہیں، اس کی قوت برداشت اور ثابت قدمی کا اظہار ہوتا ہے، اس کی مثال خالص سونے جیسی ہوتی ہے، تکالیف اور مصائب انسان میں پوشیدہ خوبیوں کو سامنے لاتے ہیں، یا تو اس سے ایسے خلق عظیم کی جگمگاتی کہکشاں جلوہ افروز ہوتی ہے کہ مدت مدید اور عرصہ بعید تک اس مینارۂ نور سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، یا پھر اس کا اثر داعی کے چلے جانے کے کچھ عرصے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے ہر اس شخصیت کے لیے جو فتح و کامرانی اور عظیم مقاصد کے حصول کی خواہش مند ہو یہ ضروری ہے کہ وہ خود کو مصائب و آلام، سختیوں اور دقتوں کے مقابلے کے لیے تیار کرلے اور نبی کریم ﷺ کی ثابت قدمی، صبر وتحمل اور تمام اخلاق کو اپنے لیے نمونہ عمل قرار دے۔

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اس اعتبار سے منفرد ہے کہ آپ اخلاق کے نہایت گراں قدر درجات کمال سے متصف تھے، یہ ہی اولو العزمی ہے، اسی سے قدرتِ الٰہی کے مظاہر ممتاز نظر آتے ہیں، ان میں سے ہر مظہر ایک نہج پر عمل پیرا ہے، جس میں تغیر نہیں، زمین کی گردش ملاحظہ کریں وہ ایک خاص وقت میں سورج کے گرد اپنا چکر مکمل کرتی ہے، وہ اس وقت میں کمی بیشی نہیں کرسکتی، اسی طرح بارش کے سلسلے اور ہواؤں کی گردش ہے، سب مقررہ طریقے کے پابند ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم فطری انداز پر قائم و دائم رہا، کام یابی یا وقتی ناکامی، پیش قدمی یا وقتی پسپائی اور تنگ دستی یا فراخ دستی ہر حال میں آپ کے خلق عظیم میں کسی قسم کا تغیر راہ نہ پاسکا۔

جنگوں میں کام یابی آپ میں فخر و غرور کا باعث نہ بنی، بلادِ عرب کے گوشے گوشے کی حکم رانی اور خزانے آپ کے لباس اور خورد و نوش کے معمولات میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرپائے، سو دینی اور دنیوی سیادت و قیادت آپ کی ذات پر مکمل ہوگئی۔

تین سال تک سیدنا محمد ﷺ ان جفاجو قوموں میں اپنا پیغام پیش کرتے رہے، جن کا دین فقط یہ تھا کہ وہ نفع و ضرر نہ پہنچانے والے گونگے بہرے بتوں کی عبادت کرتے تھے، ان کی دلیل یہ تھی وہ بت پرستی میں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرتے ہیں۔ ان کے ہاں صرف وہی عادات و خصائل پسندیدہ تھے جو ان کی عزت بڑھاتے، وہ عزت کے حصول کے لیے غارت گری کرتے، جنگیں لڑتے اور خون ریزی کرتے تھے۔ ان تین سالوں میں ان لوگوں پر جمود طاری رہا، انہیں صرف مذاق اڑانے سے دل چسپی

تھی، اس عرصہ میں صرف تیرہ افراد مسلمان ہوئے، لیکن کام یابی کی یہ سست رفتار آپ کے ارادوں کو متزلزل نہ کر سکی، آپ مسلسل اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے اور عزم و ارادے کے کوہِ گراں ثابت ہوئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علانیہ پیغام پہنچانے کا ارشاد فرمایا، حکم ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ O (۸۲)

پس جس چیز کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے اُسے برملا کہہ دیں اور شرک کرنے سے والوں کی ذرا پروانہ کریں۔

آپ نے قریش کو علانیہ توحید کی دعوت دینی شروع کی، انہیں صرف اللہ کی عبادت کرنے کا فرمایا، بتوں کی عبادت اور تعظیم سے روکا، آپ ﷺ لوگوں کے ٹھکانوں پر جاتے اور کہتے: لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، ابولہب آپ کے پیچھے لگا رہتا اور کہتا: یہ تمہیں تمھارے آباؤ اجداد کا دین چھوڑنے کا کہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کعبے کے پاس سجدے میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن پر پیر رکھ دیا، آپ کی چشمانِ مبارک ابل آئیں اور آپ کا گلا گھٹنے لگا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو بچانے کے لیے آگے آئے تو مشرکوں نے آپ کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ لیے، جس سے ان کے اکثر بال اکھڑ گئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرکوں سے کہا: کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبے کے پاس نماز میں مصروف تھے، قریش کے لوگ اپنی مجالس میں بیٹھے تھے، اتنے میں ان میں سے کسی نے کہا: اس ریاکار کو دیکھو تم میں کون آل فلاں کے فلاں مذبوحہ اونٹنی کی طرف جاکر اس کا خون، گوبر اور جیلی (وہ جھلی جس میں مادہ کے پیٹ میں بچہ لپٹا ہوتا ہے) اٹھالائے اور جوں ہی آپ سجدے میں جائیں آپ کے کندھوں پر رکھ دے، انہوں نے ایسا کیا، رسول اللہ ﷺ برابر سجدے میں رہے، یہ لوگ ہنسی سے دُہرے ہو کر ایک دوسرے پر گرتے رہے، اتنے میں کم سن بچی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آکر آپ سے یہ آلائش دور کی، آپ اس وقت تک برابر سجدے ہی میں رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حکم ربی کے مطابق علانیہ دعوت دی، آپ کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور وعدے پر کامل یقین تھا، آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کے تمام بطون کو پکارا: اے بنو فہر! اے بنو

۸۲۔ الحجر: ۹۴

عدی! جو شخص خود حاضر نہ ہو سکا اس نے اپنی جگہ کسی اور کو خبر معلوم کرنے کے لیے بھیجا، تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ادھر وادی میں ایک گھڑ سوار دستہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں پایا، آپ نے فرمایا: میں سخت عذاب کی آمد سے پہلے تمہیں متنبہ کرنے اور ڈرانے والا ہوں، ابولہب بولا: تیرے لیے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے ابولہب کی مذمت میں یہ سورہ نازل فرمائی:

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ O مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ O سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ O وَّ امْرَاَتُهٗ ط حَمَّالَةَ الْحَطَبِ O فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ O [۸۳]

ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ، اُس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اُس کے کام نہ آیا، ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اُس کے ساتھ) اُس کی جورُو بھی، لگائی بجھائی کرنے والی، اُس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔

"حمل الحطب" کا مطلب ہے چغل خوری، ابولہب کی بیوی عورتوں کی مجلسوں میں رسول اللہ ﷺ پر تہمتیں لگاتی رہتی تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا:

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ O [۸۴]

اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

آپ نے عبد مناف کی اولاد میں سے بنوہاشم، بنوالمطلب، بنونوفل اور بنوعبد شمس کو اپنے گھر میں جمع کر کے فرمایا: پانی کا متلاشی اپنے گھر والوں سے جھوٹ نہیں بولتا، بہ خدا اگر میں تمام لوگوں سے جھوٹ بولوں تو بھی تم سے جھوٹی بات نہیں کہوں گا، بالفرض اگر میں سب لوگوں کو دھوکہ دوں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا، اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں تمھاری طرف خصوصاً رسول بن کر آیا ہوں اور باقی تمام لوگوں کی طرف عموماً، بخدا تم ایسے موت سے ہم کنار ہو گے جیسے سوتے ہو اور اسی طرح اٹھو گے جیسے نیند سے بیدار ہوتے ہو، تمھارے اعمال کا یقینا محاسبہ ہو گا، نیکی کا بدلہ نیک اور برائی کا بدلہ برا پاؤ گے، پھر ہمیشہ کی جنت ہوگی یا ہمیشہ کی آگ۔

۸۳۔ اللھب: ۱ تا ۵

۸۴۔ الشعراء: ۲۱۴

۔ قریش کعبہ کے نگہ بان اور بتوں کے خدام تھے انہیں آپ کی حق گوئی بری لگتی تھی، وہ کہتے تھے: یہ کون ہوتے ہیں خود کو ہم سے زیادہ عقل مند سمجھتے ہیں، ہمیں جھڑکتے ہیں، ہمیں احمق، جاہل اور لکڑیوں کے پجاری قرار دیتے ہیں؟ سب آپ کی عداوت میں یک جا ہو گئے، آپ کے چچا ابو طالب آپ کی حمایت میں کمربستہ ہوئے، وہ آپ سے مہربانی کا سلوک کرتے اور آپ کو پہنچے والی تکالیف کو دور کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ امر الٰہی کے مطابق تبلیغ کے کام میں سرگرم عمل رہے، کسی رکاوٹ کی پروانہ کرتے، بات بڑھنے لگی، قریش کے دل رسول اللہ ﷺ کی عداوت اور کینے سے کھولنے لگے دشمنی کی آگ بڑھتی گئی، قریش کے معززین ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے: تمھارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں، ہمارے مذہب میں کیڑے نکالے اور ہمیں بے وقوف بتایا ہے، آپ اسے روکیں یا پھر آپ ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں ہم جانیں اور وہ، آپ بھی تو ہماری طرح اس کے پیغام کے خلاف ہیں، ابو طالب نے انہیں اچھے طریقے سے واپس بھیج دیا، رسول اللہ ﷺ نے حسب معمول اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں، اللہ کے دین کا برملا اظہار کرتے رہے لوگوں کو برابر دعوت دیتے رہے، قریش گھبرا گئے، آپ کی تبلیغ کے اثرات سے ان کے ہوش اُڑ گئے، ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی وہ ایک مرتبہ پھر ابو طالب کے پاس جا کر کہنے لگے ہم تمھارے بھتیجے کے بارے میں مزید صبر نہیں کر سکتے، ابو طالب سخت پریشان ہوئے قوم کو چھوڑ کر ان کی دشمنی مول لیں یا بھتیجے کو ان غضب ناک قریشیوں کے حوالے کر دیں، انہوں نے آپ کو نرمی سے سمجھایا کہ آپ اپنا اور اپنے چچا کا خیال کریں اور اس پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالیں، لیکن قوتِ الٰہی آپ کی مددگار تھی، آپ نے ابو طالب کو مایوس کر دیا، آپ نے فرمایا: چچا! میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غلبہ عطا فرمائے گا یا پھر میں اس کی خاطر اپنی جان دے دوں گا، آپ کے چچا نے یہ سن کر کہا: جو چاہیں کہیں اللہ کی قسم میں آپ کو کبھی کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔

اب ہر قبیلے کے لوگ اپنے ہم قبیلہ مسلمانوں کو مارنے پیٹنے اور مسلمان ہونے کے ناطے انہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کرنے لگے، قریش میں انتشار پھیل گیا، بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب نے نبی ﷺ کی حمایت میں ابو طالب کا ساتھ دیا، مسلمانوں پر سختیوں کی شدت میں اضافہ ہو گیا، چناں چہ ابو جہل حضرت عمار بن یاسر کی والدہ سمیہ کے پاس سے گزرا جنہیں اسلام قبول کرنے کے جرم میں اذیتیں دی جارہی تھیں، ابو جہل نے نیزہ مار کر ان کو قتل کر دیا۔

بہ طور عبرت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت پڑھیں، آپ بیان کرتے ہیں: سب سے پہلے سات آدمیوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمار، ان کی والدہ سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم۔ رسول اللہ ﷺ کو آپ کے چچا ابوطالب نے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم نے تحفظ فراہم کیا، باقی سب کو مشرکوں نے پکڑ کر طرح طرح کے عذاب دیے، انہیں لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں جلنے کے لیے ڈال دیتے تھے، بلال رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کی راہ میں اپنی جان کی پرواہ نہ کی، قوم کی امیدیں پوری نہ کی، انہوں نے بلال رضی اللہ عنہ کو آوارہ لڑکوں کے حوالے کر دیا، وہ بلال کو مکہ کی وادیوں میں گھسیٹتے پھرتے اور بلال احد، احد پکارتے رہتے، ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں اپنے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، تو گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شامل تھے۔

جب قریش نے اہل ایمان کو حبشہ میں اطمینان اور امن سے رہائش پذیر دیکھا تو عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو اپنے علاقے کے تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ مہاجرین صحابہ کو ان کی قوم قریش کی طرف واپس بھیج دیا جائے، نجاشی نے ان کی بات نہ مانی اور یہ اپنے تحائف کے ہم راہ رسوا ہو کر واپس آ گئے، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ مسلسل اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں مصروف رہے، حج کے دوران مکہ میں مقیم حجاج سے آپ ملاقاتیں کرتے انہیں دین حق کا پیغام دیتے، کفار مکہ مقابلے پر ڈٹ گئے اور ان کی عداوت و دشمنی فزوں سے فزوں تر ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے جناب ابو طالب کو آپ کی حمایت پر کمربستہ کر دیا وہ آپ کا دفاع کرتے آپ کی حفاظت کرتے اور دشمنوں کے مکر و شر کو آپ سے دور کرتے، اسی طرح آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ، عاقلہ، فاضلہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی ہمت بڑھاتیں، آپ کے غم بٹانے کی کوشش کرتیں، تسلی دیتیں اور مہربانی سے پیش آتیں۔

آپ کے صحابہ کرام ایمان قبول کرنے کی پاداش میں، اللہ کی خوشنودی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں دشمنانِ دین کے ظلم و ستم برداشت کرتے، اذیتوں پر صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ کی بعثت کے دسویں سال آپ کو عظیم صدمے سے دوچار ہونا پڑا، آپ کے چچا ابوطالب اور زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے، آپ بہت غم زدہ تھے چناں چہ اس سال کو عام الحزن (رنج و الم کا

سال) کا نام دیا گیا، ان حضرات کی وفات کے بعد آپ پر اور آپ کے صحابہ پر مشرکین قریش کے ظلم وستم مزید بڑھ گئے، آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو ایسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا جو آپ کے چچا کی زندگی میں ممکن نہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ پر سخت دشوار وقت آگیا، خوف، ہلاکت آمیز سازشیں، اور ہر طرف موتیں منہ کھولے کھڑی تھیں، یقین سے عاری لوگ سمجھنے لگے کہ اب محمد ﷺ کا پیغام آخری سانسیں لے رہا ہے، لیکن یہ باعظمت پیغام اللہ قدیر وحکیم کا تائید یافتہ تھا، اس کے ختم ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔

اعلان نبوت کے تیرھویں سال مدینہ منورہ کے بہت سے لوگ حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ آئے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور آپ سے وعدہ کیا کہ اگر آپ ان کے ہاں ہجرت فرمائیں تو وہ آپ کا دفاع کریں گے اور دشمنوں کے خلاف آپ کی ہر ممکن مدد کریں گے، جب مشرکوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف انصار سے معاہدہ کرلیا ہے تو آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے لیے ان کی اذیتیں اور بڑھ گئیں، رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم مرحمت فرمایا، مسلمان اپنے دین کے تحفظ کے لیے چپکے چپکے مدینے کی طرف فرار ہونے لگے، تاکہ پورے سکون واطمینان کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرسکیں جس کی محبت ان کے رگ وپے میں سما چکی تھی، وطن کی جدائی، والدین اور اولاد سے دوری ان کے لیے سدراہ نہ بن سکی، جب قریش کو مسلمانوں کی مسلسل مدینہ کی طرف ہجرت کا معلوم ہوا تو ان کے کان کھڑے ہوئے، ان کے سردار اور قائدین دار الندوہ میں باہم مشورہ کے لیے جمع ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا کارروائی کی جائے۔

ایک صاحب بولے انہیں اپنے شہر سے نکال دیں، تاکہ ہمیں سکھ کا سانس لینا نصیب ہو، اہل مجلس نے اس تجویز کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ ان کی زبان میں ایسی شیرینی ہے اور ان کی گفت گو ایسی دل نشیں ہوتی ہے کہ جہاں بھی جائیں گے لوگ ان کے گرد جمع ہوجائیں گے۔

دوسرے نے رائے دی کہ انہیں پکڑ کر قید کردیں، سابقہ رائے کی طرح یہ رائے بھی یہ کہہ کر مسترد کردی گئی کہ ان کے ماننے والوں کو جب یہ خبر ملے گی وہ اہلِ مکہ پر چڑھ دوڑیں گے، ان کے سرداروں نے کہا بل کہ ہم اسے قتل کردیں، ان کے خاندان کے انتقام سے بچنے کے لیے ہر قبیلے کا ایک بہادر نوجوان مقرر کردیا جائے، یہ لوگ آپ کے گھر کے سامنے جمع ہوں جب آپ باہر نکلیں سب یک بارگی حملہ کر

دیں، خون بہا سب قبائل مل کر ادا کر دیں گے، بنو عبد مناف تمام قریش سے جنگ مول نہیں لیں گے لامحالہ وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔

سب نے اس رائے کو پسند کیا، رات کے وقت حملہ آور آپ کے دروازے پر آپ کے سونے کا انتظار کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کا فرمایا، تاکہ دشمنوں کو آپ کا بستر خالی دیکھ کر شک نہ ہو، وہ لوگ دروازے کے جھریوں میں سے دیکھ کر آپ کی موجودگی کا یقین کر لیتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی چادر اوڑھ کر لیٹ گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان کا سودا کیا۔

رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے حملہ آوروں کو اندھا کر دیا، کوئی آپ کو نہ دیکھ پایا، آپ حسب وعدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غار ثور میں جا کر چھپ گئے، رسول اللہ نے ﷺ شہر سے باہر جاتے وقت ایک نظر بیت اللہ پر ڈال کر کہا: اللہ کی قسم! تو میری نظر میں اللہ کی محبوب ترین زمین ہے، یقیناً اللہ کی نظر میں بھی تو اس کی محبوب ترین زمین ہے، اگر تیرے باشندے مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں یہاں سے باہر نہ جاتا۔

قریش نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہ پایا تو مکے کے بالائی اور زیریں علاقوں میں تلاش کیا، ہر طرف کھوجی روانہ کیے، دونوں کو پکڑنے کی صورت میں بھاری انعام کا اعلان کیا، لوگ آپ کی تلاش میں نکل پڑے یہاں تک کہ وہ غار کے دہانے پر آپہنچے، اللہ نے ان کی مت مار دی، وہ غار میں داخل نہ ہوئے دائیں بائیں گھومتے رہے، اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سخت فکر مند ہو کر گویا ہوئے: اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میں ایک فرد ہوں، اگر آپ کو قتل کر دیا جائے تو امت ہلاک ہو جائے گی، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے کامل یقین اور توکل سے لب ریز لہجے میں ارشاد فرمایا: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ استقامت اور اولوالعزمی کی ایسی مثال ہے کہ تاریخ اپنے تمام تاریخی ورثے میں اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تین راتیں غار میں بسر کر کے غیر معروف راستے سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے، دوران سفر ایک بدوی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کے ساتھ یہ کون ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ ہمارے راستے کے رہ نما ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خیر کا راستہ مراد لیا اور بدوی سفر کے راستے کی رہ نمائی کرنے والا (گائیڈ) سمجھا۔

اس طرح آپ ﷺ کی ہجرت ایسے شہر پر اختتام پذیر ہوئی جہاں سے اسلام نے چار دانگ عالم میں پھیلنا تھا، جہاں آپ کے لیے عزت و تکریم اور تحفظ کا سامان تھا، اس میں بڑی حکمت پنہاں تھی، کیوں کہ اگر اسلام مکہ میں پھیلتا تو حاسدین کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ قریش عرب کی بادشاہی چاہتے تھے سو انہوں نے اپنے ایک شخص کو آگے کیا، اسے نبوت کا دعویٰ کرنے پر اکسایا، تاکہ وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں، لیکن اس کے برعکس اہل مکہ آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن رہے، آپ کو سخت اذیتیں دیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ان کا شہر چھوڑ کر دور جا کر بسنے کو پسند کیا۔

شب و روز کی گردش جاری رہی، رسول اللہ ﷺ اپنے دعوتی موقف پر برابر قائم رہے، شب و روز پوشیدہ اور علانیہ ہر حال میں لوگوں کو اللہ کا پیغام سناتے رہے، احکام خداوندی کے نفاذ میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لائے، یہاں تک کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوگئے، جزیرۃ العرب آپ کے سامنے سرنگوں اور دین اسلام کا مطیع بن گیا۔

پھر آپ نے فہم و فراست اور اندازِ گفت گو میں بعض ممتاز صحابہ کو بہ طور قاصد عرب کے علاوہ دیگر ممالک کے فرمانرواؤں کی طرف روانہ فرمایا۔

آپ ﷺ سے کبھی لغزش اور ہلکا پن ظاہر نہیں ہوا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حلم اور صبر و تحمل سے مالا مال فرمایا تھا، قدرت کے باوجود آپ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے، تکلیف دہ امور پر صبر کرتے، بل کہ اذیتیں آپ کے صبر و تحمل میں اضافہ کرتیں اور نادانوں کی خطائیں آپ کا حلم بڑھاتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کو جب کبھی دو میں کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حکم ہوا، آپ نے اُن میں سے آسان کو پسند فرمایا جب کہ وہ گناہ نہ ہو، اگر گناہ ہوتا تو آپ لوگوں میں سے سب سے زیادہ اس سے دور ہوتے، آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، البتہ اگر اللہ کی حرام کردہ چیز کی پردہ دری کی جاتی تو آپ اللہ کے لیے اس کا بدلہ لیتے تھے۔

غزوۂ اُحد کا واقعہ یاد کریں، دشمنوں نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا، آپ سے کہا گیا آپ ان کے خلاف دعا کریں، آپ نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا نہیں، داعی اور رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں، اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ نہیں جانتے، آپ صحابہ کی خواہش کے جواب میں خاموش نہیں رہے، جفاکاروں کو نہ صرف معاف فرمادیا بل کہ شفقت اور رحمت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ان کے لیے دعا فرمائی اور ان کے لیے ہدایت کی التجا کی۔

گزشتہ سطور سے واضح ہو گیا کہ آپ نے ایسے مصائب برداشت کیے جو قبل ازیں کسی پیغمبر علیہ السلام نے برداشت نہیں کیے تھے، آپ ہر قسم کے حالات سے گزرے، صلح اور جنگ، غنا اور فقر، امن اور خوف، وطن میں اقامت اور ہجرت، نظروں کے سامنے احباب و اقربا کا قتل، کافروں کی ہر نوع کی اذیتیں از قسم جھوٹ، تہمت، بہتان اور جسمانی ایذا۔ اس کے باوجود آپ حکم الٰہی پر صابر رہے، لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے، اس قدر اذیتیں اور تکالیف کسی دوسرے نبی علیہ السلام کو نہیں دی گئیں اللہ کی راہ میں ایسے دکھ کسی پیغمبر علیہ السلام نے نہیں جھیلے، سو جتنا مرتبہ اور مقام آپ کو عطا ہوا کسی اور پیغمبر گرامی قدر علیہ السلام کو عطا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو رفعت عطا فرمائی، آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا، آپ کو تمام لوگوں کا سردار بنایا، تمام انبیائے کرام سے زیادہ آپ کو قرب کا وسیلہ قرار دیا، اپنی بارگاہ میں عظمت و وجاہت سے نوازا، آپ کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔

دشمنانِ دین سے پہنچنے والے مصائب آپ کے شرف و فضل میں اضافہ کرتے رہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے سبب اعلیٰ مراتب تک رسائی عطا فرمائی، یہ ہی حال آپ کے بعد آپ کے علم کے وارثوں کا ہے، جتنا مرتبہ اتنی آزمائش، سب کو اللہ تعالیٰ ان کی محنت اور دکھ درد سہنے میں رسول اللہ ﷺ کی متابعت کے بقدر منازل کمال عطا فرماتا ہے، جو بدنصیب اس سے محروم ہے اس کا نصیب دنیائے دوں ہے وہ دنیا کے لیے اور دنیا اس کے لیے ہے، یہ ہی اس کا نصیب ہے، وہ اس سے آسودہ حال ہو کر کھاتا پیتا اور اتراتا پھرتا ہے یہاں تک کہ قسمت کا لکھا پورا ہوتا ہے اور وہ رختِ سفر باندھتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو آزمائش کی کٹھالی میں ڈالتا ہے، یہ تنگی ترشی میں وہ آسودگی اور خوش حالی میں، یہ ہر لمحہ خوف خدا سے لرزاں، وہ بے خوف، یہ حزن والم میں مبتلا وہ اپنے گھر والوں میں مسرور، دنیادار کی اپنی شان اور اولیاء اللہ کا اپنا مقام، وہ اپنی وادی کا راہرو یہ اپنی وادی کے راہی، اس کا مطمح نظر عزت و مرتبے کا حصول، مال و اسباب کا تحفظ اور اپنی بات کے اونچا رکھنے کا جنون ہوتا ہے۔

لیکن مضبوط ارادوں اور عزم راسخ سے مزین حضرات کی پوری کوشش اللہ کے دین کا قیام، اعلائے کلمۃ اللہ اور اللہ کے دوستوں کے اعزاز کے لیے صرف ہوتی ہے، وہ اللہ کی وحدانیت تسلیم کرنے کی دعوت دیتے ہیں، صرف ایک معبود برحق جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا پیغام، اپنے انبیاء و رسل اور اہل ایمان بندوں کی آزمائشوں میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت پنہاں

ہے ؟ دنیا والوں کے عقول کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں، مقاماتِ محمودہ اور اعلیٰ مراتب تک رسائی پانے والا ہر فرد ابتلا و آزمائش کے پل سے گزر کر ہی گیا ہے۔

كذا المعالي اذا مارمت تدر كها
فاعبر اليها على جسر من التعب
اعلیٰ مراتب تک اگر تم رسائی چاہتے ہو
تو انہیں مشقت کے پل سے گزر کر حاصل کرو

یہ ہی وجہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی حیات طیبہ ہر فرد کے لیے اسوۂ حسنہ ہے، خواہ وہ مربی ہو یا مرشد، قائد ہو یا قاضی اور دانش ور، امام ہو یا رہ نما، باہم معاہدہ کرنے والا ہو یا جنگ آزما، عابد ہو یا زاہد، آپ کی ذات اعلیٰ نمونہ ہے قبیلہ میں فرد کے لیے، بہ طور شوہر بیوی کے لیے، بہ حیثیت والد اولاد کے لیے، تاجر کے لیے تجارت میں، استاد کے لیے شاگرد میں، واعظ کے لیے سامعین میں، سپاہی کے لیے ذمہ داری نبھانے میں، قائد کے لیے تدبیر میں، فقیہ کے لیے احکام شریعت میں، قاضی کے لیے اپنی ولایت میں، سیاست دان کے لیے اپنی حکومت میں، بادشاہ کے لیے اپنی رعایا میں، اپنے دوستوں کے ساتھ صلح کرنے والے، اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے والے کے لیے، عابد کے لیے عبادت گاہ میں اور زاہد کے لیے قناعت میں۔

یہ سب رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سے اپنے لیے بہترین نمونہ عمل حاصل کرتے ہیں، پسندیدہ اعمال پر مداومت کی روح، اپنے مقاصد و منافع تک رسائی اور پریشان حالی میں عقدہ کشائی کا مرجع صرف اور صرف آپ ہی کی ذات کو پاتے ہیں۔

اسی لیے آپ ﷺ کی اتباع، آپ کی روشن سنت، آپ کے طریق ہدایت اور پاکیزہ سیرت کی اقتدا واجب ہے۔ اخلاق و افعال میں آپ کی پیروی اور تمام اوامر میں آپ کی اطاعت ضروری ہے، جنگ ہو یا صلح ہر حال میں ہم آپ کے ارشادات کو پیش نظر رکھیں اور آپ کے حکم پر راضی رہیں، بہترین رہ نمائی آپ کی رہ نمائی ہے اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے والوں سے اللہ محبت فرماتا ہے۔

امت مسلمہ نے آپ کے احکام پر سر تسلیم خم کر کے، آپ کے منع کردہ امور سے باز رہ کر، آپ کی اور آپ کے دین کی مدد کر کے، تنگی اور فراخی میں آپ کا طریقہ اپنا کر، اپنی خواہشات پر آپ کی شریعت کو ترجیح دے کر، آپ کی سنت کے مطابق عمل پر مداومت کر کے، آپ کا دین اور شریعت سیکھ کر اور آپ کے

اخلاق سے فیض یاب ہو کر سعادت کی منزل حاصل کر لی۔ انہوں نے اپنی عادتوں کو آپ کی عادات شریفہ کے سانچے میں ڈھالا، آپ کے محبوبوں سے محبت رکھی، آپ کے اہل بیت اور صحابہ کی عظمت ملحوظ رکھی، آپ کی شریعت کے مخالف ہر کام کی مخالفت کی، آپ کی شریعت مطہرہ میں داخل کی جانے والی ہر نئی چیز اور بدعت سے اعراض کیا، حدود اللہ کی پاسداری کی، آپ کے دشمنوں اور بدخواہوں کے اقوال کو پرکاہ کی حیثیت نہ دی، آپ کے لیے اپنی جانیں اور مال قربان کیے، یہ ایسا کرم ہے جس سے بڑھ کر کرم نہیں، جس سے اکمل نعمت نہیں اور جس سے بھرپور کوئی عطا نہیں۔

یہ تعجب کی بات نہیں آپ ﷺ توسراپا شفقت و رحمت بن کر تشریف لائے، آپ نے کتاب وحکمت کی تعلیم دی، آپ بشیر و نذیر تھے، سختی سے روکا آسانی کا سبق دیا، خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، واضح دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے، مخلوق کو گمراہی سے بچایا، فلاح کی راہوں پر لگایا اور ان کے لیے کامیابی کے راستے واضح کر دیئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۫ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝[۸۵]

میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔ جو اس پیغمبر نبی اُمیّ (ﷺ) کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، اُن کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے، لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت

۸۵۔ الاعراف:۱۵۶، ۱۵۷

کریں اور اُس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔